رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ

اے میرے ربّ! یقیناً میں ہر اچھی چیز کے لئے، جو تُو میری طرف نازل کرے، ایک فقیر ہوں۔

ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ

# آبگینے

خواتین کا علمی، ادبی معاشرتی ومذہبی
سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

مُدِیرَہ

مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب
حمیرا نگہت

انچارج بچوں کا گلستان / پکوان
عیشۃ الراضیہ عباسی

زیر انتظام عباسی اکیڈمی

سرپرست اعلیٰ ومدیر اعلیٰ محی الدین عباسی

شمارہ اگست 2021
جلد 2 شمارہ 12
ذی الحجۃ/محرم

لندن سے شائع ہونے والا عالمی مجلّہ ماہنامہ آبگینے خواتین ڈائجسٹ
www.aabgeenei.com

خدا تعالیٰ کے فضل ورحم کے ساتھ

ھُــــوَ الناصر


ایک دل شیشہ کی مانند ہوا کرتا ہے ٹھیس لگ جائے ذراسی تو صدا کرتا ہے

# آبگینے

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ

خواتین کا علمی، ادبی، معاشرتی و مذہبی سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

جلد 2 شمارہ 12 - اگست 2021 - ذی الحجۃ/محرم



مدیرہ

مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب

حمیرا نگہت

انچارج بچوں کا گلستان / پکوان

عیشۃ الراضیہ عباسی

اپنی تمام تحریریں اور قیمتی آراء درج ذیل ای میل پر بھجوائیں

aabgeene6@gmail.com

m.abbasi.uk@gmail.com

www.aabgeenei.com


لندن سے جاری ہونے والا

ماہنامہ آبگینے آپ کا اپنا رسالہ ہے اسکی اشاعت و ترویج میں بھرپور حصہ ڈالیئے

## فہرست مضامین


| | |
|---|---|
| درس القرآن | 3 |
| اداریہ | 4 |
| ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا آخری قسط | 5 |
| اصحاب القریہ | 9 |
| مذہب سے دوری اور معاشرتی پستی | 10 |
| مذہبی اقلیتیں اور ہمارے رویے | 12 |
| پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے داماں کے لیے | 13 |
| انتظار | 14 |
| کیا آج کی ساس کل سے بہتر ہے؟ | 15 |
| غلام فرید اادھری اوہ جانے | 16 |
| ناروے آنے کا ارادہ ہو تو کچھ ضروری باتیں جان لیجئے | 17 |
| تاریخ کے جھروکوں سے | 19 |
| نکھرتے رنگ | 21 |
| پاکستان کے پہلے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی پیدائش | 22 |
| حنا کے بنا سنگھار ادھورا | 25 |
| میریم میکن | 26 |
| پاکستان میں ثقافتی پسماندگی کی وجوہات | 30 |
| کیا گوری رنگت پر بحث جائز ہے | 31 |
| افغان خواتین کو اسلحہ اٹھانے کی نوبت کیوں آئی | 32 |
| دیا | 33 |
| دوست اور دوستی | 35 |
| پاکستان میں سویڈش خاتون سفیر نے رکشہ لائسنس حاصل کرلیا | 35 |
| ٹوٹی سڑک | 36 |
| خواتین کا مقام و تحفظ | 37 |
| سعودی عرب نے تیسری خاتون سفیر مقرر کردی | 38 |
| برقعے اور نقاب کے پیچھے سے میں نے کیا دیکھا | 39 |
| راہ گم گشتہ کے مسافر | 40 |
| دھنک یا قوس قزح 12 مختلف انداز کی ہوسکتی ہیں | 41 |
| آٹزم کا شکار بچے کا والدین ہونا آسان نہیں | 42 |
| جستجو | 43 |
| چہرے کی حفاظت | 43 |
| نومولود کی نگہداشت کے چند قواعد و ضوابط | 44 |
| کچھ گجراتی کھانوں کے بارے میں | 45 |
| امراض دل کے لئے محفوظ اور قیمتی دوائیں | 46 |
| آئیں اردو سیکھیں | 50 |
| شعروشاعری | 8-11-14-24-25<br>34-36-41-48-49 |



زیر انتظام عباسی اکیڈمی

سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ محی الدین عباسی

# درس قرآن کریم

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا
يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ
اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۳

**(سورة الممتحنه آیت 13)**

## ترجمہ

اے نبی! جب مومن عورتیں تیرے پاس آئیں (اور) اس (امر) پر تیری بیعت کریں کہ وہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ ہی چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ ہی (کسی پر) کوئی جھوٹا الزام لگائیں گی جسے وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے گھڑلیں اور نہ ہی معروف (امور) میں تیری نافرمانی کریں گی تو تو اُنکی بیعت قبول کر اور اُن کے لئے اللہ سے بخشش طلب کر۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

(اُردو ترجمہ قرآن صفحہ 1022)

## تفسیر

ایک اور غلطی ہے وہ اطاعت درمعروف کے سمجھنے میں ہے کہ جن کاموں کو ہم معروف نہیں سمجھتے اس میں اطاعت نہ کریں گے۔ یہ لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی آیا ہے وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ اب کیا ایسے لوگوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عیوب کی بھی کوئی فہرست بنالی ہے اسی طرح حضرت صاحب نے بھی شرائط بیعت میں طاعت درمعروف لکھاہے۔ اس میں ایک سِرّ ہے۔

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 75،76)

## حدیث

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شریک کیا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا سوائے اس کے کہ وہ ایسا گناہ کرے جو ناقابلِ معافی ہو۔

(جامع ترمذی کتاب البر والصلہ باب فی رحمۃ الیتیم حدیث نمبر 1840)

❁❁❁

### ضروری اعلان

ادارہ کے مالی حالات کے پیش نظر اور اس کو جاری رکھنے اور مزید ترقی دینے کی خاطر "ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل" اور خواتین ڈائجسٹ "آبگینے" ،لاہور رسالہ دو زبانوں اردو اور انگریزی میں لندن سے شائع ہوتے ہیں۔ ان تینوں رسالوں کو ادارہ اپنی ذاتی مالی حیثیت کے مطابق کئی سالوں سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ دنیا کے تمام قارئین کیلئے یہ معیاری اور پسندیدہ رسالے ہیں۔ ان کا خاص مقصد معاشرے کی بہتر اصلاح، سچی کھری صحافت اور اسلام کی ترقی کے لئے یہ ایک تبلیغی کوشش ہے۔
یاد رہے ایسے اخبارات اور رسائل کو جاری رکھنے کے لیے ایک بڑا ادارہ یا بزنس مین یا اشتہارات کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں میسر نہیں۔
آپ تمام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس کی ماہانہ مالی مدد فرما کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالئے۔ آپ کی یہ معمولی رقم ہماری ہمت افزائی اور ترقی کا باعث ہوگی۔ آپ اپنی رقم درج ذیل بینک میں جمع کرواسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

Bank Name:
Lloyds Bank PLC
Account Name:
Lahore International LTD
Account Number:
42534160
Sort Code:
30-96-26
IBAN:
GB89 LOYD 3096 2642 5341 60

موجودہ دَور کی تمام تر ترقی وعروج اور سہولیات کے باوجود ہر انسان پریشان ہے کوئی معاشی پریشانی کا شکار ہے تو کوئی سیاسی دُکھوں میں مبتلا ہے۔ کسی کو سماج کا غم لاحق ہے تو کوئی مذہب سے دوری کے نقصانات پر متفکر ہے کسی کو سٹیٹس برقرار رکھنے کی فکر ہے تو کوئی غربت و ذلت پر شکوہ کناں ہے۔ غرض ہر نفس بے اطمینانی اور بے سکونی کا شکار ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

سکوں دُنیا کے گوشے میں نہیں ممکن ، نہیں ممکن
اِک عالم اضطرابی ہے جدھر نظریں اُٹھاتے ہیں

اب یہ جاننا ضروری ہے کہ سکونِ قلب کیا ہے اور اسے کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟

سکونِ قلب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں پر سکون نازل کرتا ہے تو وہ بڑی سے بڑی مصیبت اور امتحان میں سے گزر جاتے ہیں۔ جس کے دل میں ایمان اور یقین ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان اور یقین میں مزید اضافہ کر کے اِس پر سکونِ قلب نازل کرتا ہے۔

"سکون" حاصل کرنے کا بہت آسان اور سادہ "نسخہ" اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ۔ ترجمہ: پس سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں۔ روح کا سکون ایک ایسی خصوصیت ہے جسے ہر کوئی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرسکتا ہے۔ اس کام کے لئے دعا، ضبطِ نفس، ارادہ اور استقلال بہت ضروری ہیں۔ اگر ہم اپنے اندر انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے بہترین طریق اپنے اندر کے نفس کو مارنا ہے تا سکونِ قلب حاصل ہو۔ اللہ پاک نے قرآن پاک میں ہمیں بہت پیاری دعا سکھائی ہے: یٰۤاَیَّتُہَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ترجمہ: اے نفسِ مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ آ (اس حال میں کہ تو اسے) پسند کرنے والا بھی ہے اور اس کا پسندیدہ بھی۔ پھر (تر ارب تجھے کہتا ہے کہ) آ میرے خاص بندوں میں داخل ہوجا اور (آ) میری جنت میں بھی داخل ہوجا۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بتایا ہے کہ اطمینان کامل اللہ تعالیٰ کے وصال سے حاصل ہوتا ہے اور وصال اس کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تقدیر آئے انسان اس کو پسند کرے اور زبانِ حال سے جنت اسے اپنی طرف پکار رہی ہوتی ہے۔

(تفسیر صغیر از حضرت مصلح موعودؓ)

سکون قلب ایک ایسی اندرونی کیفیت ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے ہر کوئی خواہش کرتا ہے مگر بہت تھوڑے ہیں جو اس کو پاتے ہیں۔ حقیقی سکون قلب کا اظہار انسان کے کردار سے نمایاں ہوتا ہے اور اس کا اظہار انسان کی آواز، رفتار اور دیگر جسمانی حرکات سے بھی ہوتا ہے یہ درحقیقت آسمانی نعمت ہے جو انسان کے اندر سکونت پذیر ہوتی ہے اور انسانی شخصیت کو رنگین رکھتی ہے۔ جب ہم یہ دعا پڑھتے رہیں اور اپنے اندر ایک تبدیلی پانے کی کوشش کرتے رہیں تو ہم ایک عظیم انقلاب اپنے اندر محسوس کر سکتے ہیں اگر ہم دنیا کا جائزہ لیں! خدا کی ذات کو یاد کرنے والے کتنے لوگ چین و آرام کی زندگی پاتے ہیں، ان کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اُن کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسے اُن سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو اُن کے لیے پسند کیا ہے اور اُن کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بامن کر دے گا" ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ " ہر چیز کے لیے صفائی ہوتی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ کا ذکر ہے اور کوئی چیز ذکرِ اللہ سے بڑھ کر عذابِ الٰہی سے نجات دلانے والی نہیں" (کنزالاعمال)

قرآن وحدیث سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ سکون مادی چیزوں سے نہیں حاصل ہو سکتا بلکہ سکونِ قلب صرف اللہ کے ذکر سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دل کو سچی اور حقیقی خوشی اللہ کے ذکر کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ جب تک گناہوں کو نہیں چھوڑا جائے گا پریشانیاں دور نہیں ہوسکتیں۔ اگر یہ عہد کرلیا جائے کہ قرآن وسنّت کی تعلیم سے ہٹ کر کوئی عمل نہیں کیا جائے گا تو پھر دیکھیں کہ اللہ کی رحمت کس طرح نازل ہوتی ہے۔ کتنا اطمینان اور سکون ملتا ہے۔ گھر جنت کا نقشہ پیش کرنے لگے گا۔ رُوکھی سوکھی روٹی میں وہ لذت نصیب ہوگی جو امراء کو مرغن غذاؤں میں نصیب نہیں ہوتی۔ جس شخص کو سکونِ قلب حاصل ہو وہ کبھی گھبراتا نہیں۔ زندگی یا موت، صحت کی خرابی، مصائب و تکالیف اس کو پریشان نہیں کرتے اگرچہ ایسا شخص ان مصائب کے اثرات سے متاثر ہوتا ہے لیکن اپنے سکون و حرکات پر اسے پورا ضبط حاصل ہوتا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس میں کامیاب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم ہمیشہ اپنے اعمال میں احتیاط برتنے والے ہوں تا ذرا سی لغزش بھی اس روحانی توازن کو بگاڑ نہ دے۔ قلبی سکون اور اطمینان ہمارے خیالات اور اعمال پر اس قدر حاوی ہوجائیں کہ یہ ہماری فطرت بن جائے۔

اس مضمون کا مقصد سکونِ قلب کی جاذبیت کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا ہے تا کہ قارئین آبگینے اپنے اندر ایسی کیفیت پیدا کریں کہ ان بلندیوں کی طرف پرواز کرسکیں۔

❀❀❀

# اُمّ المؤمنین
# حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

آخری قسط

## حضرت ماریہؓ زوجہ رسولؐ

حضرت ماریہؓ کے بارہ میں بعض محدثین، اہل سیر اور مؤرخین کی عمومی رائے یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ملک یمین سُریّہ یا لونڈی کے طور پر تھیں۔ صاحبزادہ ابراہیمؑ کی پیدائش کے بعد وہ بطور امّ ولد آزاد ہوئیں جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صاحبزادہ ابراہیمؑ کی ولادت پر حضرت ماریہؓ کے بارہ میں فرمایا کہ اس کے بیٹے نے اسے آزاد کر دیا۔> لیکن بعض محدثین نے اس حدیث کے بعض راویوں کے ضعیف ہونے کے باعث اسے ردّ بھی کیا ہے۔

اس روایت کو قبول کرنے کی صورت میں بھی اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی رائج الوقت دستور کے مطابق امّ ابراہیمؑ کو کنیز ہی سمجھتا تھا تو بیٹے کی ولادت نے اس پر بھی اتمام حجت کر دی ہے کہ اب انہیں آزاد تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ وہ بطور زوجہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حرم میں نہ بھی آتیں تو بھی بچے کی ولادت کے ذریعہ انہوں نے آزاد ہونا ہی تھا گویا حضرت ماریہؓ کے ہاں اولاد ہونے پر یہ اظہار مسرّت کا ایک انداز تھا۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے حضرت ماریہؓ کے زوجہ یا کنیز ہونے کے معاملہ کو ایک اختلافی امر قرار دیا ہے۔ اگرچہ سیرت خاتم النبیین کے ناتمام رہ جانے کے باعث ہم اس بارہ میں انکی تفصیلی تحقیق سے محروم ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے سورۃ احزاب کی آیت 53 کی تفسیر میں حضرت ماریہؓ کو لونڈی قرار دیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا (احزاب:53) اس کے بعد تیرے لیے (اور) عورتیں جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ ان (بیویوں) کے بدلے میں تُو اَور بیویاں کر لے خواہ ان کا حسن تجھے پسند ہی کیوں نہ آئے۔ مگر وہ مستثنیٰ ہیں جو تیرے زیرنگیں ہیں اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت خلیفہ اوّلؓ فرماتے ہیں کہ ”جس وقت یہ آیت اتری اس وقت حضرتؐ کے نکاح میں نو بیبیاں... تھیں۔ مگر لونڈی رکھنے کی اجازت تھی۔ چنانچہ مقوقس بادشاہ مصر نے آپؐ کو ماریہ لونڈی ہدیۃً بھیجی“۔

حضرت خلیفہ اول نے مسند خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے اپنی کتاب فصل الخطاب میں بھی عیسائی پادریوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے عام روایات کے مطابق حضرت ماریہؓ کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سُریّہ بی بی اور امّ الولد (یعنی آپؐ کے صاحبزادہ کی ماں بننے کے نتیجے میں آزاد ہونے والی) بیان فرمایا ہے۔

سورۃ احزاب کی آیت 53 کی وضاحت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی ماریہ کو لونڈی قرار دیا ہے جسے آپؐ نے نکاح میں لے لیا تھا۔ لونڈی سے نکاح کے ثبوت کے لیے حضرت خلیفہ ثانیؓ کا بیان فرمودہ یہ اصول بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ”اگر وہ (لونڈیاں) مکاتبت کا مطالبہ نہ کریں تو ان کو بغیر نکاح کے اپنی بیوی بنانا ناجائز ہے یعنی نکاح کے لیے ان کی لفظی اجازت کی ضرورت نہیں۔“

آپؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ماریہؓ کو مقوقس مصر نے اپنے ملک کے رواج کے مطابق لونڈی کے طور پر تحفۃً رسول کریمؐ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ پس وہ اس آیت کے حکم سے باہر ہیں اور ان سے بھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا نکاح ثابت ہے۔ آیت 51 اور 53 دونوں میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لیے لونڈی کی جو اجازت ہے اس کے بارے میں حضرت خلیفہ ثانی کی رائے ہے کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ ممکن ہے رسول کریمؐ نے اس اجازت کو سورۃ الانفال کے اس حکم سے مشروط سمجھا ہو کہ ” کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کئے بغیر قیدی بنائے “(الانفال:68)۔ اس حکم الٰہی پر عمل کرتے ہوئے آپؐ نے کبھی کوئی غلام یا لونڈی نہیں رکھی اور اخلاق فاضلہ کا وہ بہترین نمونہ دکھایا جسے ہمیشہ کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا۔ اس لحاظ سے بھی اوّل الذکر رائے کہ حضرت ماریہؓ کی حیثیت لونڈی کی تھی قابل غور ہے۔ اس کے مقابل پر اس رائے میں وزن معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بی بی ماریہؓ کو روز اوّل سے اپنے حرم میں شامل کر کے ازواج مطہرات جیسا سلوک کیا، ان سے پردہ کروایا اور الگ رہائش کا انتظام کیا۔ اس رشتہ کے نتیجہ میں مصر اور اسکندریہ کے بادشاہ سے تعلقات پیدا ہوئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنی اسی کتاب میں اور بعد میں اپنے درس القرآن میں بھی حضرت ماریہؓ کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بی بی کے الفاظ سے بھی یاد فرمایا ہے۔ امّ الولد کے طور پر یا روز اوّل سے زوجہ رسول ہونے کی صراحت نہیں فرمائی۔ جہاں تک آپ کی ”سریہ بی بی“ کی اصطلاح کا تعلق ہے۔ لفظ سُریّہ کی لغوی تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ سین کی کسرہ (زیر) کے ساتھ لفظ سِرّ سے ماخوذ ہو کر اس کے معنے لونڈی کے ہیں۔ جبکہ سین کی ضمہ (پیش) کے ساتھ یہ لفظ سُرور سے ہے اور اس کے معنے ایسی بی بی کے ہیں جس سے شوہر خوش ہو یعنی اس کی عزیز بیوی۔ اگر یہ مانا جائے کہ حضرت خلیفہ اول نے حضرت ماریہؓ کے لونڈی ہونے کے متعلق بعد میں کسی وقت اپنی رائے تبدیل کر لی تھی تو آپ نے حضرت ماریہؓ کے لئے سُریّہ کا لفظ انہی معنی میں استعمال فرمایا ہوگا۔

حضرت ماریہؓ کا ازواج مطہرات میں شامل ہونا جن قرائن قویّہ کی موجودگی میں قبول کرنے کے لائق ہے وہ یہ ہیں:

1۔ ذاتی غلام یا لونڈی رکھنے سے اجتناب کے متعلق رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عملی نمونہ۔

2۔ شاہ مصر کا اپنے خاندان کی معزز لڑکی ماریہ کو بغرض رشتہ مصاہرت بھجوانا اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا بصورت عقد اپنے حرم میں قبول فرمانا۔

3۔ رسول اللہ ﷺ کا حضرت ماریہؓ کو ازواج مطہرات کی طرح پردہ کروانا۔
4۔ رسول کریم ﷺ کا نومسلمہ حضرت ماریہؓ کے حرمِ رسولؐ میں شامل ہونے پر ان کی تعلیم وتربیت کے لئے حسب منطوق سورۂ احزاب:52 خصوصیّت سے توجہ دینا تاکہ وہ سورۂ احزاب کی آیات 33 تا 35 کا نمونہ ہوں۔
5۔ رسول اللہ ﷺ کا حضرت ماریہؓ کو علیحدہ رہائش اور بطور تحفہ انہیں باغ عطا کرنا۔
6۔ خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا حضرت ماریہؓ کے ساتھ خصوصی احترام کا برتاؤ اور دیگر ازواج کی طرح ان کے لئے باقاعدہ نفقہ مقرر کرنا۔

ان امور کی کسی قدر تفصیل سے یہ مضمون مزید واضح ہوجاتا ہے۔

1۔ اوّل:۔ آنحضرت ﷺ غلاموں کی آزادی کی تعلیم کے علم بردار بن کر آئے تھے اور عمر بھر آپؐ نے غلامی کے خلاف جہاد کیا۔ روایات سے ثابت ہے کہ کوئی ایک غلام بھی آپؐ نے اپنے قبضہ میں رکھنا پسند نہیں فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے غلام زیدؓ بن حارثہ میں آپؐ کی رغبت دیکھ کر آپؐ کی ملکیت میں دیا تو آپؐ نے اسے بھی آزاد کر کے اختیار دیا مگر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے والدین پر ترجیح دی۔ اور حضورؐ نے ان کو اپنا بیٹا بنا کر رکھا۔ بعد میں بھی آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں ہمیشہ خود غلام آزاد کرتے اور دوسروں سے کرواتے رہے۔ صرف غزوہ حنین میں ایک دن میں ہی آپؐ نے چھ ہزار غلاموں کی آزادی کا حکم دیا۔ لیکن ذاتی طور پر جو غلام آپؐ نے آزاد کئے وہ ایک روایت کے مطابق 63 تھے۔

گویا اپنی زندگی کے سالوں کے برابر آپؐ نے غلام آزاد کیے اور بوقت وفات آپؐ نے کوئی ایک غلام یا لونڈی ترکہ میں نہیں چھوڑی۔

اپنی بیٹی فاطمہ کے سوال کرنے پر بھی انہیں غلام عطا نہیں کیا بلکہ تسبیحات اور ذکر الٰہی سے اللہ کی مدد چاہنے کی طرف توجہ دلائی۔ اس لحاظ سے حضرت ماریہؓ کو لونڈی بنا کر رکھنا آپؐ کے مزاج اور عادت کے خلاف تھا۔ اس لئے حضورؐ نے ان سے عقد فرما کر اپنی ازواج میں شامل فرمایا۔ اور اس مقصد کیلئے کسی علیحدہ اعلانِ نکاح کی ضرورت نہیں تھی جیسا کہ حضرت صفیہؓ کو بھی رسول اللہ ﷺ کا اپنے حرم میں شامل فرمایا تو ازواج کی طرح پردہ کروانا ہی اس کا اعلان تھا۔

2۔ دوم:۔ بعض دیگر اقوام کی طرح اہل مصر میں بھی قدیم سے یہ دستور تھا کہ وہ شاہان مملکت یا والیانِ ریاست اور معزز مہمانوں سے پختہ تعلّقات استوار کرنے کی خاطر اپنے خاندان کی معزز لڑکیوں کا رشتہ پیش کر دیتے تھے۔ جیسا کہ بائبل کے مطابق فرعونِ مصر نے اپنی بیٹی حضرت سلیمانؑ کو پیش کر دی تھی جس کے نتیجہ میں مصر اسرائیل کے حملہ سے محفوظ ہوگیا۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کے فرعونِ مصر نے ان کی ولایت وبزرگی اور قبولیت دعا کا نشان دیکھ کر انھیں حضرت ہاجرہ کا رشتہ پیش کیا تھا۔ اسی طرح اگرچہ مقوقس شاہِ مصر اپنی قوم کی مخالفت کے ڈر سے اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان تو نہیں ہوا اور یہ عذر کیا کہ میری قوم اس نبی کی اتباع پر راضی نہ ہوگی اور مجھے اپنی حکومت کو خیر باد کہنا پڑے گا۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے دراصل مقوقس کو رسول اللہ ﷺ کی سچائی اور کامیابی کا یقین ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس نے آپؐ سے صلح وامن کے تعلقات استوار رکھنے کے لئے اپنے قومی رواج کے مطابق اپنے خاندان کی معزز دو لڑکیاں رشتہ کے لئے بھجواتے ہوئے یہ بھی اظہار کیا کہ آپؐ کے اخلاق کریمہ میں یہ بات ہے کہ وہ دو بہنوں کو ایک ساتھ عقد میں نہیں رکھتے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے قرآنی تعلیم (سورۂ نساء:24) کے مطابق ان دونوں بہنوں میں سے ایک کو اپنے حرم میں لا کر اس نشانی کو بھی سچا ثابت کر دیا۔

3۔ سوم:۔ آنحضرت ﷺ کا حضرت ماریہؓ کو ازواج مطہرات کی طرح پردہ کروانا بھی انہیں زمرۂ ازواج میں شامل کرنے کے مترادف ہے۔ سورہ احزاب میں ازواج رسول کے لئے مخصوص احکام پردہ میں یہ صراحت ہے کہ ان کا مقام عام عورتوں کی طرح نہیں ہے۔ ان کی آواز میں بھی لوچ نہیں ہونی چاہیے اور انہیں بالعموم اپنے گھروں میں ٹھہرنا چاہیے اور جاہلیت کے رواج کے مطابق اظہار زینت نہیں کرنا چاہیے بلکہ ازواج مطہرات کو ایسے رنگ میں چادریں اوڑھنے کی تلقین فرمائی کہ وہ خود پہچانی نہ جائیں ان کا خاص پردہ ان کی پہچان بن جائے۔ نیز جن لوگوں کو گھریلو کام کاج کے سلسلہ میں ازواج اور اہل بیت سے رابطہ کی ضرورت پیش آئے تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے سوال کریں۔ (الاحزاب:33، 34، 54، 60)

اس بناء پر ازواج مطہرات پردہ کا خاص اہتمام کرتی تھیں اور اس میں چہرہ کا پردہ بطور خاص شامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کا مثالی نمونہ اس بارہ میں اتنا معروف تھا کہ غزوۂ خیبر کے بعد جب آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو اپنے عقد میں لیا تو اسیرانِ جنگ میں سے ہونے کی وجہ سے یہ خیال ہوا کہ حضورؐ انہیں بطور ملکِ یمین اپنے عقد میں رکھتے ہیں یا زوجہ کے طور پر۔ صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ اس بات کی جانچ کے لئے ہم نے اسی علامت پر انحصار کیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو ازواج کی طرح پردہ کا اہتمام کروایا تو وہ زوجہ مطہرہ ہوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور صحابہؓ کا مقرر کردہ معیار صدفی صد درست ثابت ہوا۔ اور حضور ﷺ نے انہیں ازواج کی طرح پردہ کروایا۔ اسی معیار پر جب حضرت ماریہؓ کا معاملہ پرکھا جائے تو روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماریہؓ سے شروع ہی سے پردہ کا اہتمام کروایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا یہ فرمانا کہ حضرت ماریہؓ سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح ثابت ہے۔ اس کا ایک قرینہ یہ پردۂ ازواج بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت صفیہؓ کے نکاح کا بھی قرینہ قویہ ہے۔

4۔ چہارم:۔ حضرت عائشہؓ کی روایت اگر صحیح ثابت ہو جس کے مطابق حضرت ماریہؓ قبطیہ کی تعلیم وتربیت کے لئے کچھ عرصہ تک رسول اللہ ﷺ کا خصوصیت سے وقت دینا بھی ان کے ازواج میں شامل ہونے پر ایک قرینہ ہوسکتا ہے۔ جس کی وجہ سے انہیں حضرت ماریہؓ سے غیرت ہونے لگی تھی۔ دیگر ازواج کی موجودگی میں ان کی باریوں کے اہتمام کے ساتھ یہ زائد وقت رسول اللہ ﷺ حسب منطوق سورۂ احزاب آیت 52 اس نومسلم بیوی کی تعلیم وتربیت پر صرف کرتے تھے۔ جس کی ضرورت اور تقاضے حضرت ماریہؓ کے رسول اللہ ﷺ کے حرم میں آجانے کے بعد بڑھ گئے تھے۔ اور پیش آمدہ حالات میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اور یہ احسن فریضہ انجام نہیں دے سکتا تھا۔

5۔ پنجم:۔ رسول اللہ ﷺ نے مضافات مدینہ کے اموال بنی نضیر میں اپنے جس باغ میں

حضرت ماریہؓ کو ٹھہرایا، وہ بعد میں انہیں تحفۃً عطا کر دیا تھا جہاں وہ سکونت ہوئیں۔

اگرچہ اس باغ کے بارہ میں یہ تصریح موجود نہیں کہ وہ حق مہر میں تھا یا نہیں۔ تاہم زیادہ قرینِ قیاس یہی ہے کہ وہ حق مہر ہو گا کیونکہ لونڈی کی ملکیت میں ایسی قیمتی جائداد آ جائے تو وہ حق مکاتبت استعمال کر کے خود آزاد ہو سکتی ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یقیناً اپنی حرم کو یہ باغ بطور مہر عطا فرمایا ہو گا ورنہ مساوات کی خاطر دیگر بیویوں کو ایسا باغ عطا فرماتے۔ اس لحاظ سے بھی حضرت ماریہؓ کو حضرت صفیہؓ سے مماثلت ہے کہ ان کا گھر بھی حجرات نبویؐ سے الگ تھا۔

6۔ششم: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ماریہؓ نے جن دو خلفاء کا زمانہ پایا ان کا سلوک بھی حضرت ماریہؓ سے ازواج مطہرات جیسا تھا۔ وہ آپؓ کا خصوصی احترام کرتے اور آپؓ کیلئے باقاعدہ نفقہ کا انتظام فرماتے رہے جس طرح دیگر ازواج کے لئے فرماتے تھے۔

اس کے مقابل پر حضرت عمرؓ نے عمرۃ بنت الجون کے لئے وظیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔ (ان کا دوسرا نام اسماء اور امیمہ بھی آتا ہے اور جن کو رسول اللہ ﷺ نے شادی سے قبل ہی ان کے مطالبہ پر طلاق دے دی تھی۔) اگرچہ حضرت عمرؓ نے سورہ احزاب کی آیت 54 کے حوالہ سے اس مطلقہ زوجہ رسول اللہ ﷺ کو رسول اللہؐ کے بعد کہیں اور نکاح سے منع کیا تو اس خاتون نے جواباً یہ دلیل دی کہ مطلّقہ ہونے کی وجہ سے نہ تو مجھے ازواج کی طرح پردہ کا پابند کروایا گیا نہ مجھے امّ المومنین کا لقب ملا اور نہ ہی آپؐ نے میرے لئے ازواج کی طرح نفقہ یا وظیفہ مقرر کیا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی قبل از شادی مطلقہ ہونے کے لحاظ سے بھی مجھے ازواج میں شمار کرتے ہوئے آئندہ نکاح سے روکنا ہے تو پھر اسی اصول پر میرا نفقہ بھی مقرر ہونا چاہیے۔ اور حضرت عمرؓ نے انکی اس دلیل کو ردّ نہیں فرمایا تھا۔

## ایک اعتراض کا جواب

حضرت ماریہؓ کے بارہ میں محدث امام حاکم، مشہور مفسّر جلال الدین سیوطی اور مؤرخ ابن سعد نے ایک ایسی کمزور روایت بیان کی ہے جسے بعض عیسائی پادریوں نے بنیاد بنا کر رسول کریم ﷺ پر اعتراض کیا ہے کہ آپؐ نے ان سے حضرت حفصہؓ کے گھر اور ان کی باری میں صحبت کی۔ اور ان کے ردّ عمل پر رسول کریمؐ نے اپنی سُریہ حضرت ماریہؓ کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا اور اس کا ذکر کرنے سے منع کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ

لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (التحریم:2)

اس روایت کا ایک راوی واقدی ہے جو کسی بھی لحاظ سے قابلِ اعتماد نہیں۔ مزید بر آں نسائی اور مستدرک کی اس روایت میں حضرت ماریہؓ کی بجائے کسی اور لونڈی کا ذکر ہے۔ جس سے یہ اعتراض اور مشتبہ اور بے بنیاد ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ روایت صحیح بخاری اور مسلم کی روایت کے خلاف ہونے کی وجہ سے بھی قابلِ ردّ ہے۔ صحیحین کی روایت کے مطابق سورۃ التحریم آیت 2 کے شانِ نزول میں مذکور ہے کہ چند ازواج کے کہنے پر آپؐ نے ایک حلال چیز (شہد) کو اپنے اوپر حرام کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ علامہ ابو سلیمان محمد بن محمد الخطابی البُستی (متوفی 388ھ) نے تصریح کی ہے کہ بخاری مسلم کی حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اس واقعہ تحریم کا تعلق واقعہ شہد سے تھا نہ کہ حضرت ماریہؓ سے۔ جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ یہی بات علامہ الخازن ابوالحسن علی بن محمد ابراہیم بن عمر الشیحی (متوفی 741ھ) نے لکھی ہے کہ علماء کے نزدیک اس روایت کا تعلق شہد کے واقعہ سے ہے۔ نیز ان کے مطابق حضرت ماریہؓ کے متعلق یہ روایت کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول نے بھی حضرت ماریہؓ کے بارہ میں ایسی روایات کو ردّ کیا ہے۔ آپؓ تحریر فرماتے ہیں:۔ ”بعض مفسر لوگوں نے زینبؓ کے بدلے میں ماریہ قبطیہؓ کا نام لیا۔ ... یہ مفسروں کا قول حدیث کے مقابلے میں التفات کے قابل نہیں بلکہ محققین نے ماریہ کے وجود پر بھی انکار کیا ہے۔“

بعض کتب میں یہ قصہ حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے جو ابن اسحاق کے نزدیک ”مدرج“ ہے۔ (یعنی بعد کے راوی کی طرف سے اضافہ ہے) اسی طرح بعض ایسی روایات حضرت انسؓ اور حضرت ابوھریرہؓ کی طرف منسوب ہیں جو بزرگ علمائے فنِ حدیث کے نزدیک اجتہاد اور درایت کے لحاظ سے سند نہیں۔

اسی طرح مختلف تفاسیر اور کتب تاریخ میں واقعہ شہد کی حضرت ماریہؓ سے متعلق روایت اندرونی طور پر تضاد کا شکار ہے اور ایسے راویوں سے مروی ہے جن کی روایات قابلِ قبول نہیں مثلاً مستدرک حاکم کی اس روایت کے راوی محمد بن بکیر کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ بسا اوقات غلطی کھا جاتے تھے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس روایت کے راویوں میں سے کسی نے بھی یہ واقعہ خود حضرت حفصہؓ یا آنحضور ﷺ کی کسی اور زوجہ مطہرہ سے براہ راست بیان نہیں کیا جو اس واقعہ کی عینی شاہد تھیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوّر اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ”بعض مفسرین نے اس آیت کی بہت گندی تفسیر کی ہے یعنی یہ کہ آپؐ نے حضرت ماریہؓ سے جو آپؐ کی لونڈی تھی صحبت کی اور پھر یہ بات ایک بیوی سے عہد لے کر بتادی۔ اس نے دوسری بیویوں کو بتادیا اور یہ بات پھیل گئی۔ یہ سب قصّہ غلط ہے اور رسول کریمؐ کو بدنام کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے“

## وفات

امّ ابراہیم حضرت ماریہؓ کی وفات رسول اللہ ﷺ کی وفات کے پانچ سال بعد محرّم 16ھ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے امّ المومنین حضرت ماریہؓ کے جنازہ میں شرکت کے لئے لوگوں کو خصوصیت سے اطلاع کروا کے اکٹھا کروایا اور خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپؓ کی تدفین جنّت البقیع میں ہوئی۔

حضرت ابو بکرؓ نے دیگر ازواج کی طرح حضرت ماریہؓ کا وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا جو ان کے زمانہ خلافت میں جاری رہا پھر حضرت عمرؓ نے بھی آپؓ کی وفات تک اسے جاری رکھا۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد فوت ہونیوالی پہلی بیوی اور ایک تضاد کا حل!

جیسا کہ ذکر ہوا کہ حضرت ماریہؓ کی وفات 16ھ میں ہوئی اس لحاظ سے وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلی فوت ہونیوالی زوجہ مطہرہؓ تھیں۔ اس مناسبت سے رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی وضاحت ضروری ہے جس میں آپؐ نے ازواج کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تم میں سے سب سے پہلے مجھے وہ بیوی اس جہاں میں آملے گی جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں۔ہاتھ ماپنے کے لحاظ سے تو حضرت سودہؓ کے ہاتھ زیادہ لمبے نکلے مگر صحابہ نے بالاتفاق حضرت زینبؓ (متوفیہ 20ھ) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فوت ہونیوالی پہلی بیوی مانا۔اور لمبے ہاتھوں سے ان کا صدقہ وغیرہ دینا مراد لیا گیا۔یہ تاویل اس صورت میں تو درست ہو سکتی ہے جب حضرت ماریہؓ کو ازواج میں شمار نہ کیا جائے جیسا کہ گزشتہ بحث میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ماریہ کنیز نہیں، زوجہ رسولؐ تھیں۔اور انکی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دیگر ازواج سے پہلے 16ھ میں ہوئی۔اب لمبے ہاتھوں والی بیوی کی پیشگوئی کے بارہ میں حضرت عائشہؓ اور دیگر بعض اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی رائے ہے کہ یہ حضرت زینبؓ کے حق میں پوری ہوئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی صحیح بخاری کی اس روایت کو قبول فرمایا ہے۔اس ظاہری تضاد کے حل کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔اوّل یہ کہ حضرت ماریہؓ کی تاریخ وفات تاریخی لحاظ سے حضرت زینبؓ (16ھ) سے پہلے ہو مگر تاریخی تحقیق کا نتیجہ یہی ہے کہ حضرت ماریہؓ کی وفات 16ھ اور حضرت زینبؓ کی وفات 20ھ میں ہی ثابت ہے۔

تضاد کو رفع کرنے کی دوسری امکانی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو مخاطب کر کے یہ پیشگوئی فرمائی تو اس موقع پر کیا سب ازواج ایک جگہ موجود اور مخاطب تھیں یا آپؐ کا خطاب موقع پر موجود صرف چند ازواج کو تھا۔نیز اس صورت میں کیا حضرت ماریہؓ کے موقع پر موجود ہونے کی بھی کوئی روایت ملتی ہے۔اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ماریہؓ کا اس موقع پر موجود ہونا کسی روایت سے ثابت نہیں جبکہ بعض دوسری ازواج کی موجودگی کی صراحت مل جاتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات حضورؐ نے گھریلو ماحول میں کسی خاص موقع پر موجود بعض ازواج کے اس سوال پر فرمائی تھی کہ ہم میں سے سب سے پہلے کون سی بیوی آپؐ سے جا ملے گی؟ آپؐ نے فرمایا تھا کہ جس کے ہاتھ تم میں سے زیادہ لمبے ہیں موقع پر موجود ازواج مطہرات نے اس کے ظاہری معنی مراد لیتے ہوئے اپنے بازو ماپنے شروع کئے۔حضرت سودہؓ لمبے ہاتھوں والی نکلیں۔مگر ان موجود الوقت بیویوں میں پہلی وفات 20ھ میں حضرت زینبؓ بنت جحش کی ہوئی۔حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں "تب ہم پر کھلا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد زیادہ صدقہ دینے والا ہاتھ تھا۔اور حضرت زینبؓ بنت جحش اپنے ہاتھ سے کام کر کے دستکاری کے ذریعے روپیہ کما کر کثرت سے صدقہ کرتی تھیں۔انہیں صدقہ کرنے سے گویا محبت تھی" بخاری کی اس روایت کے مطابق اس موقع پر موجود ازواج میں سے حضرت عائشہؓ حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش کی قطعی موجودگی صریح طور پر ثابت ہوتی ہے۔جبکہ ایک اور روایت سے حضرت میمونہؓ کے بھی اس موقع پر موجود ہونے کا ذکر ملتا ہے۔4 مگر جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے حضرت ماریہؓ کی موجودگی کی صراحت کسی حدیث میں نہیں ملتی۔

دیگر بعض روایات میں عمومی طور پر ازواج مطہرات کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اکٹھا ہونے کا ذکر ہے جس سے حجرات نبویؐ میں رہائش پذیر دیگر ازواج میں سے حضرت ام سلمہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ کی بھی اس موقع پر موجودگی کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔لیکن کسی روایت میں حضرت ماریہؓ کی موجودگی کا صراحتاً ذکر نہ ہونا اور ویسے بھی ان کا گھر حجرات نبویؐ سے کچھ فاصلہ پر مضافات مدینہ میں واقع ہونا اس موقع پر ان کی موجودگی کے امکان کو کم کر دیتا ہے۔اس لئے یہ تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ یہ پیشگوئی اس وقت موجود ازواج میں سے حضرت زینبؓ بنت جحش کے حق میں پوری ہوئی اور وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلے فوت ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملیں۔واللہ اعلم بالصواب

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(بحوالہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم از حافظ مظفر احمد صاحب)

❁❁❁

## یہی وہ آبگینے ہیں

ذرا دھیرے سے تم چلنا
کہ یہ تو آبگینے ہیں
یہی وہ آبگینے ہیں
کبھی ہو پیاس کی شدت
تو یہ پانی پلاتے ہیں
کبھی سورج کی ہو حدت
تو یہ سایہ بناتے ہیں
یہ ہیں آنگن کے تارے
جو ہمیشہ جگمگاتے ہیں
مکاں کو گھر بناتے ہیں
انہی میں وہ قرینے ہیں
کہ یہ تو آبگینے ہیں
یہی وہ آبگینے ہیں
کہ جو گھر بھر کی زینت بھی
یہی آنکھوں کی ٹھنڈک
یہی فرحت بھی، یہی راحت بھی
انہی سے رونق محفل
انہی سے حرمت محمل
بھری شاداب دنیا میں
یہی سرسبز اک حاصل
یہی جنت کے زینے ہیں
کہ ہیں یہ ماں

یہی بیٹی، یہی بہنا
یہی ہیں ہاتھ کا گہنا
محاذوں پر جو نکلو تو
کبھی پیروں کی بیڑی بھی
بنیں پسلی سے ہیں یہ
اس لئے تھوڑی ٹیڑھی بھی
مگر تم توڑ مت دینا
انہیں مستور ہی رکھنا
کہ عصمت کے نگینے ہیں
کہ یہ تو آبگینے ہیں
کبھی سوچا بھی ہے تم نے
یہ کتنا دکھ اٹھاتی ہیں
تمہاری زندگی کو کس طرح شاداں بناتی ہیں
تمہاری راہ کے کانٹے
یہ چن لیتی ہیں پلکوں سے
سفر آساں بناتی ہیں
سنور جائیں اگر
اک نسل کا ایماں بناتی ہیں
پھر ان معصوم کلیوں کو
یہی بصری
یہی سفیاں بناتی ہیں

❁❁❁ (منقول)

# أصحاب القرية (انطاکیہ)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ۝ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ

ترجمہ: ان کے لئے بستی والوں کی مثال بیان کیجیے‘ جب اس میں ہمارے پیغمبر آئے۔ پہلے ہم نے دو پیغمبر بھیجے لیکن اُن (بستی والے) لوگوں نے انہیں جھٹلا دیا تو ہم نے ایک تیسرا پیغمبر بھیج کر ان کو قوت دی۔ ان پیغمبروں نے کہا: ”یقیناً ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔“ (یٰسٓ: 36/13‘14)

اس بستی والوں سے مراد انطاکیہ والے ہیں۔ اس پر سب مفسرین کا اتفاق ہے۔ یہ بستی دریائے عاصی کے کنارے واقع ہے۔ یہ دریا اس بستی سے تھوڑا آگے بحرِ متوسط میں جا گرتا ہے۔ یہ شہر سلوقس اوّل نے 307 ق م میں بسایا تھا اور اسکندر مکدونی کے بعد اس شہر کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ عباسیوں کے دور میں یہ شہر شامی سرحدی صوبہ عواصم کا مرکز تھا۔ یہ بہت صاف ستھرا‘ خوبصورت‘ بہترین آب وہوا اور میٹھے پانی والا شہر ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے: ”اس بستی سے مراد ”انطاکیہ“ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کی طرف تین حواری بھیجے تھے جن کے نام صادق‘ مصدوق اور شمعون تھے۔ بستی والے کہنے لگے:

پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ ہمارے ذمے صرف واضح تبلیغ ہے۔“ وہ کہنے لگے: ”ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر رجم کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے دردناک سزا برداشت کرنا پڑے گی۔“ حواریوں نے کہا: ”تمہاری نحوست تو تمہارے اپنے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کیا اگر تمہیں نصیحت کی گئی ہے تو تم اسے نحوست کہتے ہو؟ بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ چکے ہو۔“ اتنے میں ایک آدمی شہر کے آخری کنارے سے بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا: ”اے میری قوم! ان پیغمبروں کے بات مان لو۔ ہاں مانو ان کی بات جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت کی باتیں کرتے ہیں۔ ذرا سوچو! میں کیوں نہ اس ذات کی عبادت کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف میں اور تم سب لوٹ کر جائیں گے۔ کیا میں اسے چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالوں؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ رحیم کریم ذات مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ان جھوٹے معبودوں کی سفارش مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور یہ سب مل کر مجھے نہ چھڑا سکیں گے۔ اس صورت میں تو میں واضح گمراہی میں پھنس جاؤں گا۔ میں تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا ہوں اس لئے میری بات سنو۔“ اسے کہہ دیا گیا: ”سیدھا جنت میں داخل ہوجا۔“ وہ کہنے لگا: ”کاش! میری قوم کو پتہ چل جائے کہ میرے ربّ نے مجھے معاف کردیا ہے اور مجھے معزز مہمانوں میں شامل فرمالیا ہے۔“ (36/15...27)

یہ تھے حضرت حبیب نجار جو ان پیغمبروں کی مدد کے لئے آئے تھے اور انہوں نے اعلانیہ ایمان کا اظہار کردیا‘ لیکن وہ خبیث اس پر چڑھ دوڑے حتیٰ کہ اسے پاؤں تلے کچل دیا اور وہ اپنے اللہ کو پیارا ہوگیا۔ سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ شہر مکینوں سمیت زیروزبر کرڈالا۔

## اضافی توضیحات وتشریحات

### اصحاب القریۃ یا اصحاب یٰس

قرآن عزیز کی سورۂ یٰس میں ایک مختصر واقعہ مذکور ہے جسے ”واقعہ اصحاب یٰس“ یا ”واقعہ اصحاب القریہ“ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ گزشتہ زمانے میں ایک بستی میں کفروشرک اور شروفساد کو دور کرنے اور رشد وہدایت کا سبق دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو پیغمبروں کو مامور کیا۔ بستی والوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ایک اور ہادی کا اضافہ کردیا۔ مگر قوم بدستور کفروشرک کی راہ پر گامزن رہی۔ اس دوران میں بستی کے ایک مومن شخص نے انہیں اللہ کے پیغمبروں کی پیروی کی تلقین کی۔ قوم غیظ وغضب میں آگئی اور اس مردِ مومن اور تینوں رسولوں کو شہید کرڈالا۔ تب اللہ کا عذاب نازل ہوا اور ایک ہولناک چیخ نے ان سب کا کام تمام کردیا۔

یہ واقعہ انطاکیہ شہر میں پیش آیا‘ اس شہر کے لوگ بت پرست تھے‘ ان کی طرف جن پیغمبروں کو بھیجا گیا ان کے نام صادق‘ صدوق اور شلوم تھے۔ اگرچہ ان کے علاوہ دیگر ناموں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض نے کہا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے پہلے کا ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے۔ (ملخص از قصص القرآن جلد سوم)

انطاکیہ: یہ شہر دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شامل ہے‘ شمال مغربی شام میں دریائے عاصی کے کنارے واقع ہے۔ سکندر اعظم کے بعد تیسرے حکمران انٹیوکس نے اسے آباد کیا اور اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اسے انطاکیہ بنت روم بن یقن بن سام بن نوح علیہ السلام نے آباد کیا تھا (معجم البلدان‘ یاقوت حموی) پہلی صدی عیسوی میں یہاں مسیحی بطور حکمران رہے۔ 540ء میں ایرانیوں نے برباد کیا اور کچھ عرصہ بعد شدید زلزلے نے آلیا۔ 636ء میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے انطاکیہ فتح کیا۔ 1098ء میں اس پر صلیبی قابض ہوگئے۔ 1268ء میں مملوک سلطان رکن الدین بیبرس نے عیسائیوں کو انطاکیہ سے مار بھگایا۔ یہاں حبیب النجار کی درگاہ مشہور ہے جس کا ذکر بغیر نام کے قرآن مجید (سورۂ یٰس) میں آیا ہے۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ‘ جلد 3) انطاکیہ کی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ حلب سے تقریباً 100 کلومیٹر مغرب میں واقع ہے۔ (اَطلسُ القرآن دارالسلام صفحہ 234 تا 237)

# مذہب سے دوری اور معاشرتی پستی

تحریر: عفت نوید

انسان کی فطرت بھی عجیب ہے ڈرا کے رکھنا چاہتا ہے اور ڈر کے بھی رہنا چاہتا ہے۔

انسان نے ازل سے ہی کسی ایسی شے کی کھوج کی جس کو وہ طاقتور مان کر اس کے آگے گھٹنے ٹیک سکے، اس کی عقل کے مطابق جو چیز جتنی گہرائی، وسعت، طاقت، دکھ، فائدہ، اور خوف کا تاثر دیتی تھی وہ اسی کے زیرِ دام آجاتا تھا، اور اسے خدا مان کر خود کو اس کے تابع کر کے خود نفس کے تابع ہوجاتا تھا۔ یوں اچھائی برائی، سزا، جزا، انعام، عذاب کی فکر میں مبتلا رہ کر کبھی ظلم تو کبھی عجز کا مظاہرہ کرتا، مگر اس سب کے باوجود حقیقی معنوں میں وہ آسائش دینے والی چیزوں اور خود سے زیادہ طاقتور انسان ہی کے زیرِ اثر رہا، لیکن اسے دوسروں کے سامنے خود کو کسی طاقتور ہستی کے ساتھ سپردگی کے اعتراف میں ہمیشہ تسکین ملتی رہی خود کو کسی کے رحم کرم پر چھوڑ دینے کا احساس اسے ایک روحانی خوشی دیتا رہا۔

سجدہ کرنا، ماتھا ٹیکنا، اس کی رضا و منشا کے مطابق زندگی گزارنے کو ایک طرف تو وہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا رہا اور دوسری طرف اسے خود بھی ایسی ہی کوئی ہستی، یا چیز بننے کی خواہش رہی کہ ساری دنیا اس کے زیرِ نگیں ہو، وہ بلاشرکتِ غیرے دنیا پر حکمران ہو، ہوائیں، طوفان، سیلاب سب اس کی مرضی سے اپنا رخ بدلیں، وہ ہی لوگوں کا پیٹ بھرے، یا نہیں بھوکا رکھے، وہ انہیں موت یا زندگی دینے کا مجاز ہو یوں خشکی، کبھی سمندر اور سمندر کبھی خشکی میں تبدیل ہوا اور کروڑ ہا صدیاں بیت گئیں انسان نے دو پیروں پر چلنا شرع کیا اور اگلے دو پیروں کو اس نے ہاتھ بنا کر ان سے سر کھجانا شروع کر دیا، تب اسے اپنی انگلیوں میں نوکیلوں ناخنوں کا احساس ہوا، یہ ناخن اس کے پاس قدرت کی طرف سے بہت بڑا ہتھیار تھے، انسان کے جبلی ارتقائی عمل کے ساتھ ساتھ اسے اپنی پوشیدہ اور ظاہری صلاحیتوں کا علم ہوتا رہا اور وہ اپنی عقل، اہلیت اور قابلیت کی بنیاد پر انہیں حتی المقدور استعمال کرتا چلا گیا، پھر ساری دنیا میں صالح پیغمبرانِ کرام کا سلسلہ شروع ہوا سب سے پہلے ان کی اطاعت اور احترام خطے کے چند طاقتور لوگوں کی جانب سے کیا گیا، جب دوسرے لوگوں نے طاقت اپنے ہاتھ سے جاتی دیکھی تو وہ پیغمبر اور ان کے ماننے والوں کے دشمن ہو گئے، یوں نیکی اور شر آمنے سامنے ہوئے تو کبھی اس لڑائی میں نیکی غالب آتی تو کبھی شر جیت جاتا لیکن تاریخ نے ثابت کیا کہ دائمی فتح نیکی کو ہی نصیب ہوئی۔ سچائی، نیکی، پرہیز گاری کا چلن خدا کے ان دیکھے تصور سے بھی پرانا ہے، اسی طرح، باطل، گناہ اور دھوکہ دہی کا چلن بھی ان کے ظاہری ہیبت ناک خدا سے پہلے کا ہے۔

جب مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق ہر پیغمبر اور نبی نے اسلامی شعائر کو عام کیا اور ایک ان دیکھے خدا کا تصور پیش کیا، تب انسان کو یہ تصور زیادہ فطری اور عقلی دلائل کے لیے معقول لگا۔ ان دیکھے خدا کی حاکمیت پوری کائنات پر تھی اور وہ دلوں کے بھید اور نیتوں کے حال بھی جان سکتا ہے دنیا کے وہ خطے جہاں مذہب کی عمداری مقدم ہے وہاں ہر انسان اپنے اپنے معلوم علم، معلومات، صحبت، دوستی اور میراث کی بنا پر اپنے بچوں کو اپنے عقیدے اور نظریے پر کاربند دیکھنا چاہتا ہے اس لیے شیر خواری سے ہی بچے کے ذہن میں اپنے باپ یا ماں کے دیے ہوئے عقائد و نظریات اس کے اندر ایک احساسِ برتری اور تفاخر کے جذبات بھر دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے عقائد کو درست مان کر دوسروں کے عقیدے کی درستی کی سعی کو اپنی زندگی یا موت کا مقصد بنا لیتا ہے۔

وہ خود کو خدا کر قریب محسوس کرتے ہوئے اس سے محبت کرتا ہے اور کسی گناہ یا غلطی کی صورت میں اس کی سزا کے خوف میں مبتلا ہو کر اپنے نیک اعمال کو مٹتے دیکھتا ہے تو اللہ سے معافی اور آئندہ غلطی نہ کرنے کا عہد کرتا ہے۔

مگر پھر انسان کی مکاریوں نے اللہ کی محبت اور اس کے خوف کو دل سے نکال کے اپنی زبان میں قید کر دیا اس مملکتِ خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اللہ کو ایک ماننے والے اس بات پر کامل یقین رکھنے اور دل و دماغ میں بسانے کے بجائے، اظہار کرتے نظر آتے ہیں کہ خدا ان کی نیتوں سے واقف ہے، ان کی شہ رگ سے قریب ہے وہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، ہمارے ایک ایک عمل اور سوچوں پر اس کی نظر ہے اس کا پہرا ہے۔ جو کچھ ہے اسی نے عطا کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ زندگی اور بعد از موت دائمی زندگی میں جزا اور سزا کا تصور پیش کیا گیا۔

یہ محض ایک تصور نہیں، اعلیٰ و ارفع پیغام بھی ہے اس پیغام کو انبیاء اور پیغمبرانِ کرام کے اعلیٰ اخلاق و کردار کے عملی نمونے کی معرفت نافذ کیا گیا مگر افسوس ہم نے ان کے ذکر کو بھی کاروبار بنا لیا، ہم نے ایسے ادارے قائم کیے جہاں زبان و بیان میں شیرینی اور شخصیت میں کشش پیدا کرنے کی تربیت دی جاتی ہے، یوں ادارے قائم ہوتے رہے کاروبار چمکتا رہا، کمزوروں کو آخرت میں انصاف کی نوید دی گئی اور وہ یومِ حساب ظالم کا گریبان پکڑنے کی امید پر قبر میں جا لیٹا اور طاقتور دنیا میں جنت کے مزے لیتا اور آخرت میں بھی اس سے فیضیاب ہونے کے لیے، مساجد کی تعمیر، خواہش مندوں کو

مکے کی زیارت اور صدقہ وخیرات میں اپنی دولت دان کر کے اپنے تئیں پاک کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

ان کی شان شوکت احترام وعقیدت نے لوگوں کو ان کی تقلید پر مجبور کیا، انہوں نے ایک قدم اور لیا اور جائز ناجائز دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹنی شروع کر دی ہاتھ کی انگلیوں پر وظیفہ اور زبان پر میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، کا ورد رہنے لگا۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی، یہ کھوج بھی ضروری ہوگئی کہ بزورِ طاقت دوسروں کے عقیدے کو درست کیا جائے چنانچہ چوکوں چوراہوں اور منبروں سے اپنے دوسروں کے عقائد کو برا کہا جانے لگا سب کام چھوڑ چھاڑ لوگ اسی بحث میں مصروف ہو گئے، اور سرمایہ داروں وڈیروں اور جاگیرداروں کا محنت کش غلام طبقہ اپنے آقا کی خوشنودی کے لیے اپنے جسم وجان، عزت اور خوہشات کی قربانی دیتا رہتا ہے، اس تک ایک اللہ کا پیغام، جنت کی نوید اور دوزخ کا خوف نہیں پہنچایا جاتا، وہاں تو مساجد تک بھی ان کی رسائی ہے نہ وقت۔ جب کہ ہمارے پاس نبی کے اعلیٰ اخلاق کی مثال، صبر، ایثار، نیکی اور ظالم کے خلاف ڈٹ جانے کے لیے مقدس کتاب سے فرامین موجود ہیں اب جیسے آپ اپنے بچے سے کہتے ہیں ماں باپ کو مسکرا کر دیکھنا بھی صدقہ ہے، صفائی نصف ایمان ہے یا ماں باپ جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں تو انہیں اف نہ کہو، جب ہم یہ تمام باتیں دینی عقائد کی روشنی میں کرتے ہیں تو کوئی طنز سے مسکراتا ہے نہ ڈھٹائی سے ترکی بہ ترکی کرتا ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ گھرانے جہاں مذہب کی عمداری کو اولڈ فیشن سمجھا جاتا ہے، وہاں بے معنویت نے لوگوں کی زندگی کو ڈپریسڈ کیا ہوا ہے، اولاد ماں باپ کی نصیحت سننا ہی نہیں چاہتی اور والدین بھی ان سے توقع نہیں رکھتے یوں مایوسی پھیلتی ہے، میاں بیوی بھی اپنے معاملات میں مکمل آزاد ہیں، یوں ایک دوسرے پر اپنا حق جتانے کا تصور دور ہوتا گیا، ہر انسان پرائیوسی کی چاہ میں تنہا ہوتا چلا گیا۔ تنہائی انسان کو نفسیاتی بحران مبتلا کر دیتی ہے۔ لیکن افسوس کہ مذہب کی دوری اور مذہب سے محبت دونوں میں انتہاپسندی کے فروغ کے باعث انسانیت کہیں پیچھے چلی گئی۔ اگر مذہب سے دوری یا قربت انسان کو انسان سے قریب کرتی محبت کو فروغ ملتا تو ہمیں ایک اللہ کافی تھا۔

لبرلز کے خیالات اور میڈیا کی بے لگام آزادی بہر حال ہمارے اختیار میں اور محدود پیمانے پر ہے، ہمارے اسلامی معاشرے میں جو مذہب پر یقین نہیں رکھتے انہیں اپنے خیالات کے پرچار اور اس پر عمل درآمد کے لیے بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں جب کہ تبلیغی اجتماعات، دینی مجالس، محافل، سڑکوں چوراہوں ہر مذہبی بحث، مساجد کی تعمیر، عبادات، خواتین میں حجاب کی مقبولیت اور صدقہ خیرات میں پہلے سے کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود ہمارا معاشرہ بری طرح اخلاقی انحطاط کا شکار ہے۔

آزاد خیال سوچ کو ان کی سوچ پر قدغن کی شکائت ہے جب کہ ہمارے علماء کرام بے راہ روی کا ذمہ دار آزاد خیال سوچ کو ہی سمجھتے ہیں۔ اللہ کو ایک ماننا، آخرت پر یقین رکھنا اور حیات بعد از موت پر ایمان تمام مسائل کا حل ہے، نیکی کے پرچار، اسلامی پیغام اور رسول کی سنت عام کرنے اور لوگوں کی دل ودماغ کو اس پیغام سے اُجالنے اور ان کی زندگیوں میں شرعی تعلیم کے (حقیقی معنوں میں) نفاذ میں کیا رکاوٹ ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی رکاوٹ میں ہماری خود کی تشہیری خواہش رکاوٹ ہو، ہو سکتا ہے، حقیقی دینداری میں پارسائی اور تقوے کی شہرت کا تڑکہ نہ ہو، اس راہ پر چلنے کے لیے بڑی کٹھنائیاں ہوں، لیکن معاشرے کو ایک اسلام اور ایک اللہ کے پیغام کے ذریعے انسانیت کی تعلیم ضرور دی جا سکتی ہے، جو ایک اللہ، ایک رسول اور ایک قرآن کا درس ہے۔ انسانیت کی تعلیم میں ہی فلاح ہے۔

اس کے پردے سے ہی نکلیں گے خدا و اہرمن
دیکھ لینا تم جو انساں کو کبھی سمجھا گیا

میرا احمد نوید

❁❁❁

## غزل

### فرحت ضیاء جرمنی

حد سے زیادہ ناز اٹھایا کرے کوئی
اچھا سا نام لے کے بلایا کرے کوئی
روٹھے ہوئے بھی خود سے زمانہ گذر گیا
جی چاہتا ہے اب تو منایا کرے کوئی
مدت کے بعد روئے ہیں خود سے لپٹ کے ہم
اب اس طرح تو یاد نہ آیا کرے کوئی
یہ دھوپ زندگی کے سبھی رنگ لے اڑی
لاتے کہاں سے ایسا جو سایا کرے کوئی
رنجش گلے شکایتیں سب زندگی کے ساتھ
یوں زندگی سے روٹھ نہ جایا کرے کوئی
سب تتلیاں چمن سے کہیں دور جا بسیں
کیا خوشبوؤں کے دیس سے لایا کرے کوئی
ننھی سی ایک خواہش دل میں مچلتی ہے
پہلو میں لے کے لوری سنایا کرے کوئی
آنچل تھا ماں کا میرے لئے آسماں ضیاء
اب کیسے تارے توڑ کے لایا کرے کوئی

❁❁❁

# مذہبی اقلیتیں اور ہمارے رویے

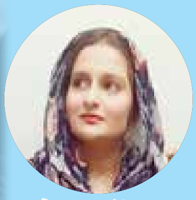

تحریر: مقدس مجید

گزشتہ سال میں نے ضلع قصور کے تین پرائمری سکولوں کے بچوں کے انٹرویوز کیے تھے۔ ان میں سے ایک سکول ایسا تھا جہاں مسیحی بچیوں کی بھی نمایاں تعداد موجود تھی۔ باقی پرائمری اسکولوں کی نسبت مجھے اس اسکول میں کچھ منفرد چیزیں دیکھنے کو ملیں۔ یہاں نہ صرف میرا انٹرایکشن مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والی بچیوں سے ہوا بلکہ اس سرکاری سکول میں زیادہ تر پڑھنے والی بچیاں غریب یا کم آمدنی والے گھروں سے تعلق رکھتی تھیں سو میرے لیے ایک مخصوص سوشل کلاس میں مختلف مذاہب کے لوگوں کے آپس کے رویوں کو سمجھنے کا یہ ایک اچھا موقع تھا۔ مسیحی لڑکیاں مسلم لڑکیوں کی نسبت تعداد میں کم تھیں۔ بریک کے وقت جہاں دوسری لڑکیاں آپس میں کھیل کود کر رہی تھیں وہیں یہ مسیحی بچیاں آپس میں آرام سے بیٹھ کر لنچ کرتی دکھائی دیں۔ یہ قدرے سہمی ہوئی تھیں اور دوسرے بچوں سے دور تھیں۔ مذہب کی بناء پر ایسے فاصلوں سے میں پہلے ہی واقف تھی لیکن اس منظر نے مجھے مجبور کیا کہ میں ان کی اساتذہ سے ان بچوں کے انٹرایکشن کے متعلق مزید دریافت کروں۔

میں نے اسکول کی ہیڈ سے بھی ان مسیحی بچیوں کی تفصیلات اور رویوں کے متعلق پوچھا۔ ان کا بتانا تھا کہ یہ لڑکیاں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کے گھروں کے قریب ہمارا اسکول ہی پڑتا ہے تبھی ان کی لڑکیاں ہمیشہ اسی اسکول میں داخلہ لیتی ہیں۔ ہیڈ صاحبہ نے بتایا کہ چند مہینے قبل ان بچیوں کی والدہ سکول میں شکایت کرنے آئی تھیں کہ دوسری لڑکیاں ان کی بیٹیوں کا مذاق اڑاتی ہیں۔ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اپنی تذلیل سمجھتی ہیں اور ان کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی پنسل ربڑ تک کو دھونے بیٹھ جاتی ہیں۔ اس ڈیسک پر نہیں بیٹھتی جہاں یہ بچیاں بیٹھتی ہوں کیونکہ مسلم بچیوں کو ان مسیحی بچیوں کی چھوئی ہوئی ہر چیز ناپاک معلوم ہوتی ہے۔ میں ہیڈ صاحبہ کی باتیں سن رہی تھی اور ساتھ ساتھ ان بچیوں کو بھی دیکھ رہی تھی۔ ہیڈ صاحبہ نے مزید یہ بتایا کہ ان بچیوں کو اسکول میں داخل کرنے پر مسلم لڑکیوں کے کچھ والدین سکول انتظامیہ سے نالاں رہے۔ مجبوراً حالات کو بہتر بنانے کے لئے ہمیں کلاس میں ان مسیحی بچیوں کی نشست کو مخصوص کرنا پڑا تاکہ یہ بچیاں تعلیم جاری رکھ سکیں اور مسلم بچیوں کو بھی مسئلہ نہ ہو۔ میں بھی غور کر رہی تھی کہ مسیحی بچیوں کی کلاس میں بھی جگہ الگ تھی۔ نہ تو یہ بچیاں کھیل کے میدان میں دوسروں کے برابر تھیں نہ ہی کمرہ جماعت میں۔

آئین پاکستان بغیر کسی نسلی، صنفی اور مذہبی تفریق کے تمام شہریوں کو برابر کا اسٹیٹس دیتا ہے۔ ہمارے قوانین جہاں مسلم اکثریت کے لئے بنائے جاتے ہیں وہیں وہ دوسرے مذاہب کی اقلیتوں کے لئے بھی ہیں۔ اس ریاست میں ہم سب عام شہریوں کا درجہ رکھتے ہیں پھر تعلیم، صحت وغیرہ جیسے شعبہ جات ہوں یا مناسب ملازمتیں، وہ تمام حقوق جن کی ادائیگی کی ہماری ریاست پابند ہے۔ ان تمام حقوق تک رسائی ہر شہری کا حق ہے۔ قانون ترقی کا ایک آلہ ہوتا ہے جو اپنی پابندی کے تحت ایک معاشرے کو ترقی اور جدت کی راہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ آئین پاکستان میں تمام شہریوں کو برابر کا سٹیٹس دے کر ایک پرامن پاکستان کی بنیاد ڈالی گئی ہے جہاں مختلف مذاہب، صنف، رنگ اور نسل کے لوگ ایک دوسرے کو قبول کر سکیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اپنی زندگیاں گزار سکیں۔

مذہبی اقلیت سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے اسٹیٹس کو بہتر بنانے کے لئے حکومت کا مناسب سرکاری ملازمتوں میں ان اقلیتوں کے لئے 5 فیصد کوٹا خوش آئند قدم معلوم ہوتا ہے۔ اس سے مناسب ملازمتوں تک مذہبی اقلیت سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کی رسائی میں آسانیاں پیدا کی جا سکیں گی۔ سرکاری ملازمتوں میں پانچ فیصد کوٹے کو سماجی کارکنوں اور مختلف ویلفیئر کے اداروں نے سراہتے ہوئے ملازمتوں میں کوٹے کے ساتھ ساتھ تعلیمی اداروں میں بھی کوٹے پر حکومت کی توجہ دلائی اس موقف پر کہ جن غریبوں کی رسائی کبھی اچھی تعلیم تک رہی ہی نہ ہو، جنھیں کبھی غیر نصابی سرگرمیوں میں بخوبی اپنے جوہر دکھانے کا موقع بھی نہ ملا ہو۔ بھلا وہ ان سرکاری ملازمتوں کے اہل کیسے بن پائیں گے؟ حال ہی میں حکومت نے تعلیم میں مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کے لئے 2 فیصد کوٹے کا اعلان کیا ہے جس سے نہ صرف ان نوجوانوں کی معیاری تعلیم تک رسائی آسان ہو سکے گی بلکہ یہ مناسب ملازمتوں کے اہل بھی ہو سکیں گے۔ ان نوجوانوں کی سماجی اور معاشی خود مختاری میں ایسی پالیسیاں ایک اچھا کردار ادا کر سکیں گی۔

قوانین اور پالیسیاں جو تمام شہریوں کو برابر کا رتبہ دیتی ہوں اپنی جگہ موجود تو ہیں مگر ہمارے روزمرہ کے رویوں میں ایک دوسرے کو قبول کرنے اور ڈائیورسٹی (Diversity) کو ناگوار سمجھنے کی بجائے اس میں خوبصورتی کو تلاش کرنے کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ بچپن سے ہی بچوں کے ذہنوں میں اپنی ذات، مذہب اور کلاس سے مختلف لوگوں کے لئے زہر بھرا جاتا ہے۔ چونکہ مذہب کسی بھی فرد کی زندگی میں ایک اہم مقام رکھتا ہے اور کسی شخص کے کردار اور اس کے نظریات کا براہ راست تعلق اس کے مذہب سے ہوتا ہے ایسے میں مذہب کی بناء پر استوار ہونے والے تعلقات یا پھر مذہب ہی کی بناء پر پیدا ہونے والی دوریاں اور انتشار بھی شدید نوعیت کے ہوتے ہیں۔ دوسرے مذہب سے تعلق رکھنے والی بچیوں کے ساتھ ناگوار سلوک صرف ضلع قصور کے کسی لڑکیوں کے پرائمری اسکول کا ہی مسئلہ نہیں بلکہ یہ مسئلہ ہم سب کا ہے اور ہر جگہ موجود ہے۔ اگر ہم واقعی اقلیتوں کے حقوق اور ان کی برابری چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں اپنے رویوں سے اس کا آغاز کرنا ہوگا تاکہ جہاں بھی ایسا استحصال ہو وہاں فریقین میں مزید دوری پیدا کرنے کی بجائے۔ مسیحی بچیوں کی نشست فکس کر دینے کی بجائے۔ ان کو پاس لایا جائے۔ مذہبی اکثریت سے تعلق رکھنے والوں کو ڈائیورسٹی (تنوع) کے حسن سے روشناس کرایا جائے اور دوست بنایا جائے۔ اگر ہم پاکستان کے مختلف مذاہب اور دیگر سوشل گروپس سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے نوجوانوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دینا ہوگی تاکہ انھیں مستقبل میں ہم ذمہ دار اور ڈائیورسٹی کو قبول کرنے والے شہری پیدا کر سکیں۔ ❀❀❀

# پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے داماں کیلئے

تحریر: صفیہ چیمہ ۔ فرینکفرٹ

## تربیت اولاد کے سنہری گُر

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی اولاد کی، اپنی بہن کی اولاد کی جن کی آپ دادی بھی تھیں۔ اپنے تمام بہن بھائیوں اور جماعت کی اولاد کی تربیت کے نہایت اعلیٰ اصول بتائے جن پر آپ نے ساری زندگی عمل کیا۔ خدا کرے افراد جماعت خصوصاً عورتیں ان اصولوں پر چل کر اپنی نسلوں کی اعلیٰ تربیت کرنے والی بنیں اور یہ سلسلہ خدا کرے مسابقت کے ساتھ آگے سے آگے بڑھتا ہی چلا جائے۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ تربیت اولاد کے متعلق فرماتی ہیں۔ ”تربیت کہاں سے آتی؟ جو طریقہ حضرت اماں جان کا دیکھا وہی جہاں تک ہمت تھی رکھا“۔

### ”میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے“

حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ:

بڑے بچے کی تربیت پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے اگر وہ ٹھیک راہ پر چلے گا تو آئندہ زیادہ محنت کی ضرورت نہیں۔ چھوٹے خود ہی بڑے کے نقش قدم پر چلنے لگتے ہیں۔ بچوں پر اعتماد کر کے تربیت کرنا حضرت مسیح موعودؑ کا بھی یہی طریق تھا اور حضرت اماں جان کا بھی مثلاً اگر کوئی بات ہمارے بچپن میں کسی کی ہوتی، تو آپ وثوق سے کہتیں ”میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے“ اور یہ بات ہمارے دلوں میں اتنی گڑ گئی تھی کہ مجھے بچپن کا اپنا تاثر یاد ہے کہ جھوٹ تو خیر ہم نے بولنا ہی نہ ہوا، یہ بات (گویا) ہمارے کرنے کی ہے ہی نہیں۔

### ”بچوں پر اعتماد کرنا“

یہی سلوک اور طرز حضرت مسیح موعودؑ کا تھا آپ کبھی بے اعتباری کی یا شک کی بات نہ کرتے تھے، بچوں پر یقین رکھتے تھے یعنی اعتماد ظاہر فرماتے اور اس اعتماد کی شرم نہ تو آپ کی مرضی کے خلاف کوئی بات کرنے دیتی اور کوئی بات آپ سے پوشیدہ رکھنے کو دل چاہتا۔ جو بات کہو آپ غور سے سنتے، جیسے کسی بڑے معتبر آدمی کی سنتے ہیں۔ خواب مجھ سے آپ اکثر پوچھتے بھی، اور خود سناتی، جب بھی سرسری کبھی نہیں سنا کہ بچہ کی بات ہے بلکہ بڑی توجہ فرما کر سنا اور تعبیر سنا کر دل کو خوش بھی کیا۔ کوئی ظاہراً پورا کر دینے کا پہلو ہوا، تو اس کو ضرور اسی صورت میں پورا کیا۔ غرض بچہ کو نیک بات کی نصیحت کرنا اور اس کے کاموں پر اس طرح نظر رکھنا کہ ہر وقت کی نکتہ چینی، شک شبہ روک ٹوک تو نہ ہو، مگر خبردار ضرور رہیں آپ۔ اور بچہ پر بڑی حد تک اعتبار کر کے اس میں خود اپنے افعال کی غیرت اور ذمہ داری پیدا کر دینا، کوئی بات ہو تو الگ سمجھا دینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت ہر وقت کی برسر عام گھر کی جھڑکی سے بے غیرت بنانے کے۔ نیز حضرت اماں جان فرمایا کرتی تھی بچہ کو یونہی ہر وقت نہ کہو سنو، مگر جب کہو تو ضرور وہ بات کروا کر چھوڑو تا کہ فرمانبرداری کی عادت پڑے لیکن ہر وقت تنگ نہ کرو۔

فقط مبارکہ

(از مصباح دسمبر جنوری 62-1961 صفحہ 15,16)

تشحیذ الاذہان رسالہ کے ذریعے آپ کا پیغام بچوں کے نام

### ”دعاؤں کی عادت ڈالو“

پیارے بچو! ذرا سنو! تم سے بس دو باتیں کہنا ہیں۔ زیادہ وقت نہیں لوں گی، تم چھوٹے ہو بے شک مگر دعا کرنا صرف بڑوں کا حق نہیں اس نعمت سے سبھی فائدہ اٹھانے کے حق دار ہیں۔ تو تم کیوں نہ اٹھاؤ؟ ابھی سے دعاؤں کی عادت ڈالو۔ اپنے اللہ میاں سے اپنے لئے دین و دنیا کی ہر خیر مانگو۔ نیک قسمت مانگو اور دعا کیا کرو کہ مولا ہر دھوکے اور فتنہ سے بچانا، ہمیں شیطان کے پھندے میں نہ پھنسنے دینا۔ ہم صادق رہیں، نیک رہیں، ہمیشہ صادقوں کے ساتھ رہیں خلافت سے وابستہ رہیں زندگی کی ہر راہ پر تو ہی ہمارا دستگیر بن جا اور رہنمائی فرما۔ جب میں چھوٹی تھی، تو حضرت مسیح موعودؑ نے کئی بار فرمایا کہ میرے ایک کام کے لئے دعا کرو یاد دعا کرنا۔ ذرا غور کرو! کہاں وہ ہستی برگزیدہ عالیشان اور کہاں میں؟ مگر آپ مجھے دعا کو کہتے! یہ اس لئے ہوتا تھا کہ بچوں کے ذہن نشین ہو جائے کہ ہم نے بھی دعائیں کرنی ہیں اور تا دعاؤں کی عادت پڑے اور بچے جان لیں کہ اللہ کا در رحمت کھلا ہے۔ مانگو گے تو پاؤ گے۔ یہ آپ کی تربیت تھی دعا کے متعلق۔

اسی طرح حضرت خلیفہ اول (اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں آپ کی روح اقدس پر ہوں) بڑے پیار سے فرماتے کہ: ”میرے لئے دعا کرتی ہو؟“ ”میرے لئے بھی دعا ضرور کیا کرو!“ غرض یہ سب باتیں اس لیے تھیں کہ دعا کی اہمیت دل میں جاگزیں ہو جائے۔ نیز خاص تاکید سے حضرت خلیفہ اوّل بار بار مجھے فرماتے کہ: ”دیکھو! اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی شرم نہیں تم چھوٹی ضرور ہو مگر خدا سے دعا کرتی رہا کرو کہ اللہ تعالیٰ مبارک اور نیک جوڑا دے۔“

یہ بات میرے ساتھ پڑھنے والی دوسری لڑکیوں سے بھی اکثر کہی کہ: ابھی سے چپکے چپکے دعائیں کرتی رہا کرو کہ اللہ تم کو نیک جوڑے بخشے۔ بالکل نہ شرمانا، اپنے خدا سے ہر گز نہیں شرماتے، اسی سے تو سب کچھ مانگنا ہے پس لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی یہ دعا ضرور کیا کریں۔ مگر یہ دعائیں اس لیے ہیں کہ بچے اپنی آئندہ زندگی کے لئے خزانے جمع کریں۔ کہیں نیک جوڑا مانگتے مانگتے ابھی خیالی پلاؤ پکانے نہ شروع کر دینا! ابھی ہر گز تمہاری شادی وادی نہیں ہوسکتی، ابھی تم نے قابل بننا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

### ”بری صحبت سے بچو۔ برے دوستوں کو چھوڑ دو“

دوسری ایک بات یہ کہ شیطان کوئی جن بھوت تو نہیں کہ خاص طور پر تم کو ڈرانے آئے گا اور تم بھاگو گے سرپٹ۔ وہ تو ہر وقت آس پاس لگا لپٹا پڑا پھرتا ہے تم کو پتا بھی نہیں لگ سکتا اگر تم سمجھ سے کام نہ لو تو وہ بچہ بھی بن سکتا ہے۔ بہت لڑکے لڑکیاں شیطان ہوتے ہیں، تم دوست سمجھو گے۔ سہیلیاں جانو گے اور پیار پیار میں زہر کا ٹیکہ تمہاری رگوں میں گھونپ دے گا۔ بری صحبت سے بچو۔ برے دوستوں کو چھوڑ دو۔ اس کی پہچان کا ایک موٹا گر، فی الحال یاد رکھو کہ جس بات کو تم اپنے والدین یا بزرگوں کے سامنے نہ کر سکو، وہ گناہ ہے وہ زہر ہے۔ جس بات کو تم ان کو بتاتے رکو یا شرماؤ، وہ ٹھیک نہیں جب کوئی تم کو (لڑکا، لڑکی بلکہ بڑی عمر کا معقول آدمی بھی شیطان بن کر آ سکتا ہے) ایسی بات سکھائے یا بتلائے جو وہ تمہارے بزرگوں کے سامنے نہیں کہہ سکتا، تو اس سے دور بھاگو اور ہر بات بری بھلی جو سنو، ضرور اس کا ذکر اپنے ماں باپ سے کر دو مگر ہر ایک سے نہیں کہتے پھرنا۔ ماں باپ سے ذکر کرنے سے تم شیطان کے رعب سے نکل آؤ گے اور تمہارے دل کو تقویت ہو گی اور تم چونکہ بچے ہو، شیطانی لوگ شکایت کر کے مفت کا دباؤ اور ڈر جو بٹھانا چاہتے ہیں وہ تمہارے دل سے نکل جائے گا اور تمہارے والدین عقلمندی اور خاموشی سے خود نگران بھی رہیں گے اس طرح تم کو بڑا سہارا ہو جائے گا۔ تم خود بھی دوسروں کیلئے نیک نمونہ بنو۔ گندی گالیاں، بازاری لوگوں سے بعض بچے سیکھ لیتے ہیں اور اس زبان کے گند سے دل میں گند پیدا ہو کر برائی پھیلتی ہے۔ کبھی ایسی بات لبوں تک نہ آنے دو۔ اچھے بچے بنو اور ہم جولیوں کو اچھے بننے میں مدد دو۔

اچھا خدا حافظ و ناصر

مبارکہ

(از تشحیذ الاذہان مئی 1962)

❀❀❀

# انتظار

**تحریر: قدسیہ عالم**

سمندر کا نیلگوں پانی اور نیلے آسماں کی وسعتیں دور کہیں گلے ملتی دکھائی دے رہی ہیں اور ڈوبتے آسمانی چراغ کی مدھم لالیاں بادلوں کو بوسے دیتی دکھائی دے رہی ہیں۔ اس طلسماتی حسین ماحول میں میں ہوں وہ ہے تو سمجھو کل جہاں ہے۔

وہ مجھ سے کچھ ہی دور اس حسین منظر کا حصہ بنا کھڑا تھا میں نے خاموشی کی زباں میں اسے کہا سنو!! یہ حسین نظارے تمہاری مجھ پر مرکوز توجہ کو ہٹانے کا سبب بن رہے ہیں اور تم مجھے بے دھیانی کے طاق پر رکھ کر خود ان نظاروں کی فسوں کار رنگینی میں کھو گئے ہو؟؟ ہے نا؟

یہ پرسکون نیلا پانی یہ ٹھہر ٹھہر کر چلتی محبت کے سندیسے لاتی پون... بہار اور نئے پتوں کی آمد کا یقین رکھتی یہ شانت سنہری شاخیں سب تمہیں اپنی طرف کھینچ رہی ہیں اور تم مجھے شاید بھول سے رہے ہو...

لیکن میں خوش ہوں تمہاری خوشی میں...اپنی آنکھوں کو سیر کرو اس خوبصورتی سے...اس نیلے پانی کو جی بھر کر دیکھو اس پون کا سکون اپنے اندر اتارو ان سنہری شاخوں کی شانتی محسوس کرو پھر چائے آتی ہی ہو گی آرام سے چائے پیو...

میں ہمیشہ کی طرح آج بھی دل وجان سے تمہاری منتظر ہوں... کیونکہ...

کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم کہیں بھی چلے جاؤ کسی منظر کی خوبصورتی تمہیں کتنا ہی اپنی طرف کھینچ لے تم آؤ گے کیونکہ تمہیں جو اپنائیت مجھ سے ملتی ہے جو محبت تمہیں میں دیتی ہوں وہ کوئی اور نہیں دے سکتا...میں جانتی ہوں جلد ہی تم ان نظاروں کی خوبصورتی سے بصارت کو معطر کیئے میرے ہی پاس واپس آؤ گے۔ اپنی تمام تر توجہ کا مرکز مجھے بناؤ گے مجھے ہاتھوں میں اٹھا کر آنکھوں سے لگا لو گے کہ بالآخر جو مقام میرا تمہارے دل میں ہے وہ کسی اور کا نہیں۔ تو جب تم مطمئن ہو جاؤ تو لوٹ آؤ میرا ادھورا پن اپنی توجہ سے مکمل کر دو...مجھے اپنے دل وجان سے چاہنے والے اے میرے پیارے قاری میں، میں تمہاری کتاب اس خوبصورت نشست پر تمہاری منتظر ہوں... ❀❀❀

### مجھے اپنا ستارا ڈھونڈنا ہے

**نفیسہ محمود بانو**

ابھی خود کو بھی ہم نے جانچنا ہے
تری نظروں کو بھی پہچانا ہے
ہمارے دل تلک تو آن پہنچے
تمہارے دل میں کیا ہے سوچنا ہے
ستاروں سے بھری اس کہکشاں میں
”مجھے اپنا ستارا ڈھونڈنا ہے“
میں اس کا عکس اور وہ عکس میرا
میں اس کا اور وہ میرا آئینہ ہے
کبھی پونچھا تھا جو آنچل سے آنسو
وہیں پر اک گرہ کو باندھنا ہے
انا کو مات دینی ہے تمہاری
تمہاری ضد کو بھی تو توڑنا ہے
نہیں اب دیکھ پائیں گے ہم ان کو
یہ دکھ بھی اب ہمیں کو جھیلنا ہے
کبھی سوچا نہیں تھا ہم نے یہ تو
کہ جیون اس طرح بھی کاٹنا ہے
بہت ٹوٹی ہوں بکھری ہوں میں بانو
نہ جانے کیسے خود کو جوڑنا ہے

❀❀❀

# کیا آج کی ساس کل سے بہتر ہے؟

## کامیاب شادی شدہ زندگی

سیانے کہتے ہیں مچھر اور مکھی کی طرح ساس کی زندگی میں بھی نہ سکون ہوتا ہے اور نہ یہ کسی کو سکون لینے دیتی ہیں۔ کہا یہ بھی جاتا ہے کہ سانسوں کی طرح ساسوں کا بھی کوئی بھروسہ نہیں۔ پہلے پہل بہوئیں یہ دعا کرتی تھیں کہ "ربا یا تے سس چنگی ہووے یا او دی فوٹو دیوار تے ٹنگی ہووے" کیوں کہ کچھ دہائیاں قبل ساس بہوں کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی تھیں۔

گھر میں اگر کوئی جانور پال رکھا ہو تو اس کا خیال بھی بہو ہی رکھتی تھی غرض یہ کہ ساس ایک سخت کمانڈو افسر کی طرح سارا دن بہو کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھتی تھی اور جہاں اس سے غلطی ہوئی بیٹے کو فوراً خبر کر دی جاتی۔ انہی سختیوں کے دیکھتے ہوئے کہا جاتا تھا کہ ساس کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ بدلتے وقت نے ساس بہو جیسے رشتے کو بھی بدل دیا ہے۔

آج کی ساس پہلے کی نسبت پڑھی لکھی وار سمجھدار ہے جو بہو سے ہر سطح پر برابری کرنے کے ہر گُر سے واقف ہے۔ بیوٹی پارلر میں ساس یا بہو؟ بہو تو بیوٹی پارلر جاتی ہی ہے لیکن ساس بھی اب گھر بیٹھے دیسی ٹوٹکوں پر یقین نہیں رکھتی، وہ بھی نئے سے نئے بیوٹی پارلر کا رُخ کرتی ہے اور وہاں جا کر اپنے بناؤ سنگھار کا اہتمام کرتی ہے۔ اس کے تقاضے کسی طور بھی بہو سے کم نہیں ہوتے۔ اب وہ زمانے گئے جب ساس کا نام سنتے ہیں سفید بال، عام اور قدرے سستے ملبوسات پہننے والی موٹی ضعیف خاتون کا خیال ذہن میں آتا تھا۔ اب تو فیشن میں ساسیں بہوؤں سے دو قدم آگے دکھائی دیتی ہیں۔ معروف برانڈز کے ملبوسات، ہیر ڈائی اور دیگر فیشن کے تقاضے اب بہو سے زیادہ ساسیں پورے کرتی ہیں۔ پہلے ساس اپنی عمر کی مناسبت سے ملوسات میں ہلکے رنگوں کا انتخاب کرتی تھی مگر آج یہ حالات کہ بیٹے کی شادی پر ماں کے کپڑوں کی چمک دمک سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ دلہن کی ساس ہے۔ اس طرح پہلے ساسیں شادیوں پر بھی میک اپ سے پرہیز کرتی تھیں مگر اب وہ بھی مہنگے پارلر سے تیار ہوتی ہیں اور دلہن کی ساس ہے۔ اسی طرح پہلے ساسیں شادیوں پر بھی میک اپ سے پرہیز کرتی تھیں مگر اب وہ بھی پہلے پارلر سے تیار ہوتی ہیں۔ ہاؤس وائف مسز راشد کہتی ہیں "پہلے ساسوں کا سارا زور بہوؤں سے گھریلو کام کاج کروانے پر ہوتا تھا مگر اب وہ بہو کو "گھرداری اور سلیقے" پر لیکچر دینے کی بجائے فیشن میں اس کی برابری کرنے پر دیھان دیتی ہیں۔ سوشل میڈیا پر سرگرم پہلے ساس بیٹے کی بہو کی کئی باتوں کو سچ مان لیتی تھی مگر اب وہ خود سوشل میڈیا پر سرگرم رہتی ہے کہ یہ دیکھے کہ بیٹا اور بہو کس قدر سچ بول رہے ہیں۔ اپنے سمارٹ فون کی برکت سے وہ اپنے بچوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھتی ہے۔ کہیں ڈنر کر رہے ہیں یا پھر برگر کھا رہے ہیں۔ پہلے باہر کے کھانے بہو کھانے جاتی تھی مگر اب بہو کے ساتھ ساتھ ساس بھی باہر کے کھانے انجوائے کرتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی ریستوران میں جانا ہو اور ساس پیچھے رہ جائے، وہ سب سے آگے ہوتی ہے اور خود تجویز کرتی ہے کہ کہاں سے کیا کھایا جائے۔ پھر وہ آرڈر بھی خود دیتی ہے کہ بل بھاری ہو یا ہلکا وہ بیٹا ہی ادا کرے گا۔ ایک ہاؤس وائف مسز کوثر کہتی ہیں "ہمارے زمانے میں ساسیں یہی بات دوہرا کر ہمیں بلیک میل کرتی تھی کہ شوہر کے دل کا راستہ پیٹ سے ہو کر گزرتا ہے لہٰذا اچھے اچھے کھانے بنایا کرو، اگر نہیں آتے تو شوہر کی خوشنودی کے لیے سیکھ لو۔ ورکنگ ساس خواتین کی پڑھائی کے تناسب میں اضافے کی بدولت اب ساسیں بھی پڑھی لکھی اور زمانے کے ساتھ چلنے والی ہیں اور پہلے کی طرح گھرداری کے ساتھ اپنے کیریئر پر فوکس بھی کرتی ہیں بلکہ ورکنگ بہو کو برابر کی ٹکر دیتی نظر آتی ہیں۔ چاہے وہ کسی بینک میں کام کر رہی ہوں یا کسی سکول اور کالج میں پڑھاتی ہوں، انہیں اپنے سماجی تعلقات کی بھی فکر رہتی ہے۔

مغرب میں تو چونکہ مستقل بیوی رکھنے کا بھی کہیں رجحان نہیں لہٰذا وہاں ساس کا تو کوئی تصور ہی نہیں تھا لیکن مشرق میں گھر ساس کا راج ہوا کرتا تھا مگر اب ساس گھر بیٹھ کر بہو اور بیٹے کے واپس آنے کا انتظار نہیں کرتی بلکہ مختلف تقریبات میں جانا پسند کرتی ہیں۔ پہلے ساس بیٹے اور بہو اپنے شوہر کو نیا دبا کر جھگڑتی تھی مگر اب ایسا نہیں کیونکہ اب بیٹے کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ساس اور بہو کے مابین کس نوعیت کی مقابلہ بازی چل رہی ہے۔ ماڈرن ساس نے کیا بدلا ہے؟ اگر دیکھا جائے تو ماڈرن ساس نے کچھ نہیں بدلا بلکہ صرف اپنا چولا بدلا ہے۔ ذہنیت وہی ہے۔ وہی دو تلواریں ہیں جو ایک نیام میں نہیں رہ سکتیں۔ نیا پن تو ہے مگر سوچ وہی ہے، ماڈرن ساس پرانی بوتل میں نیا مشروب ہے۔ پہلے پہل بیٹے بیویوں کے سامنے ماں کے بنائے ہوئے کھانوں کی تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے، ہر کام میں اپنی ماں کی مثال دیتے تھی اور اب تبدیلی یہ آئی ہے کہ اکثر بیٹے اپنی والدہ کی ملبوسات کی چوائس پر فخر کرتے ہیں کہ شاپنگ کرنے کا ڈھنگ میری والدہ کو ہی آتا ہے۔

بہو ہمیشہ تذبذب کا شکار رہتی ہے کہ نہ جانے سسرال والوں کو اس کی کون سی بات بری لگ جائے، دوسری طرف ساس بھی بہو کے ساتھ گھلنے ملنے کی بجائے ش و پنج کی کیفیت میں مبتلا رہتی ہے۔ ایک عورت جس نے 20 یا 30 سال ایک گھر میں حکمرانی کی ہوتی ہے، اپنے گھر کی ساری ذمہ داریاں بخوبی نبھائی ہوتی ہیں لیکن جب ایک نیا فرد گھر میں آتا ہے اور اس کی ذمہ داریاں بانٹنے کے ساتھ ساتھ گھر میں اپنی اہمیت اور ساکھ بھی بنانے لگتا ہے ایسے میں ساس یہ محسوس کرنے لگتی ہے کہ اس کی اہمیت گھر میں کم ہونے لگی ہے۔

بہو اپنے شوہر پر ماں سے زیادہ حق جتاتی ہے، ایسی صورت میں بہو کو چاہیئے کہ وہ ساس کا نقطہ نظر سمجھنے کی کوشش کرے۔ ماہر سماجیت شمیم آصف کہتی ہیں کہ "پہلے مائیں اپنے بچوں کے لیے بہو کے دکھ درد سہہ لیتی تھیں مگر اب رویوں میں تبدیلی ہونے کی وجہ سے ساس بھی برداشت نہیں کرتی کہ بیٹا جب کمانے کے قابل ہو جائے تو اسے مکمل طور پر بیوی کے حوالے کر دیا جائے۔ پہلے ساسیں کہتی تھیں کہ اس عمر میں اچھا نہیں لگتا کہ گہرے رنگ کے ملبوسات پہنے جائیں اور شاپنگ پر پیسہ برباد کیا جائے مگر اب ماڈرن ساسیں اپنی زندگی بھرپور طریقے سے گزارنے کی قائل ہیں اور اپنی زندگی میں کسی کی مداخلت بھی برداشت نہیں کرتیں۔"

# غلام فرید اا وہدی اوہ جانے

تحریر: ڈاکٹر صغرا صدف

یہ ایک مصرعہ نہیں زندگی گزارنے کا سلیقہ ہے۔مکتبِ فکر ہے، سنہری اصول ہے، عملی اظہار ہے۔صوفیا کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ ان کا کوئی ایک مصرع روح میں اتار لیا جائے تو یقین کی طاقت سے بے کار الجھنوں کا قفس تار تار ہوجاتا ہے اور انسان خود کو کائنات کے رنگ برنگے گلشن میں پاتا ہے جہاں بے عمل جیون پودوں کو پانی دینے پر مامور ہوتا ہے۔مالی محنت اور لگن سے کائنات کے صحن کو سرسبز بنانے کی جستجو کرتا ہے۔سبزے پر زندگی کا انحصار ہے۔وہ دیہاڑی دار کی طرح محنت کرتا اور اجر خدا پر چھوڑ دیتا ہے۔اس کا اجر پھل اور پھول ہیں۔میاں محمد بخش نے کہا تھا:

مالی دا کم پانی دینا تے بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھُل لانا لاوے یا نہ لاوے

بھر بھر مطلب ذوق وشوق سے اپنا کام کرنا، تمام توانائیاں حرکت میں لانا اور پھر کرم کی امید رکھنا اس قادرِ مطلق سے جو کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا۔خواجہ فرید کے اس مصرعے کو یقین کی طشتری پر سجالیں تو زندگی کی حقیقت عیاں ہوجاتی ہے، زندگی کا خوبصورت چہرہ سامنے آجاتا ہے، فیصلہ ہوجاتا ہے کیا کرنا ہے، کس طرف جانا ہے، کیسے جانا ہے، رستہ جگنوؤں سے بھر جاتا ہے کیونکہ صوفیا اپنی زندگی بھر کی ریاضت، باطن کی رہنمائی، خدا اور رسولؐ کے عشق سے بہرہ ور ہوکر دانش کے اس مقام تک رسائی پاتے ہیں جہاں ہر حقیقت صاف پانی میں واضح دکھائی دینے لگتی ہے۔گندگی اور بدصورتی دل کے اس دریا کو گدلا کرتی ہے جو نظر کے آئینے سے جڑا ہے۔نظر کا آئینہ دل کی روشنی سے دیکھتا ہے۔اگر وہ شفاف ہوجائے تو ہر طرح کا گدلا پن ختم ہوجاتا ہے اور زندگی کی کشتی رواں ہوجاتی ہے۔ہمارا بیشتر وقت دوسروں پر تنقید بلکہ دوسروں کے اعمال کا تجزیہ کرنے میں گزر جاتا ہے۔ لیکن ہماری تمام تر تنقید تحقیق اور تجزیہ دوسروں کی برائیاں ڈھونڈنے میں صرف ہوتا ہے ہمارا خیال دوسروں کا محاسبہ کرنے اور ہماری سوچ دوسرے کے اعمال بلکہ خیالات کی فکرمندی کے ارد گرد گھومتی رہتی ہے۔اس فکرمندی میں ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمیں بھی کچھ کرنا تھا، ہمیں بھی خدا نے کسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے دوسروں کے محاسبے میں ہم اپنی ڈیوٹی، اپنا فرض، اپنا منصب اور اپنی ذمہ داری بھول جاتے ہیں اور یہ عمل جب اجتماعی رویہ بن جائے تو بے عملی قومی ابتری بنتی جاتی ہے۔میرے لئے یہ ایک مصرعہ نہیں بلکہ زندگی کا فلسفہ ہے کہ وہ جو آپ پر تنقید کر رہا ہے، جو آپ پر کیچڑ اچھال رہا ہے، جو آپ کو برا کہہ رہا ہے آپ اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیں، اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنا فریضہ نبھانے کا آغاز کریں۔دھوپ کا رونا رونے کی بجائے پودوں کو پانی دینا شروع کریں۔بے گھر اور مجبور لوگوں کی تصاویر شیئر کرنے کی بجائے کسی پناہ گاہ، کسی سائبان کی تعمیر کے لئے دیوار اٹھانی شروع کریں۔عمل کی نیت خیر بانٹنے اور زندگی کو خوبصورت بنانے کے عزم سے لبریز ہے۔وزیراعلیٰ پنجاب جناب عثمان بزدار نے اپنی تقریر کے آغاز میں یہ شعر پڑھا تو ان کی تمام حکمتِ عملی واضح ہوگئی۔وہ اس کے بعد ایک لفظ کہے بغیر خدا حافظ کہہ دیتے تو بھی یہ ایک مکمل پیغام اور اعلان تھا۔بجٹ کے اعداد و شمار اور تقابلی جائزے میسر ہوجاتے ہیں لیکن دل کے جذبے، رویے اور ذہن کے آئینے کی جھلک نہیں دکھائی دیتی۔یہ شعر ان کی تمام تر حکمت عملی، فکری رجحان اور نظریاتی کاوشوں کا آئینہ ہے۔۔آج تک ہر بجٹ تنقید کا نشانہ رہا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہماری زندگی میں سہولتوں کا اضافہ بھی مہنگائی کا باعث بنتا ہے۔عالمی منظرنامے پر چیزوں کے ریٹ، مانگ اور حیثیت اوپر نیچے ہونے سے قیمتیں متعین ہوتی ہیں۔تنقید کرنی مقصود ہو تو مثبت چیزوں میں بھی کیڑے نکال کر دکھائے جاسکتے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی بجٹ مثالی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ بجٹ بنانے والے پیش کرنے والے اور جن کے لیے بجٹ بنایا جاتا ہے وہ سب انسان ہیں، فرشتے نہیں۔میرے لیے اس بجٹ میں اسپورٹس پالیسی، نئے گراؤنڈ اور 15 تحصیلوں میں سپورٹس کمپلیکس، ضلعی ترقیاتی بجٹ میں اضافہ اور 1122 کو باقاعدہ محکمے کا درجہ دینا زیادہ اہمیت کے حامل منصوبے ہیں۔تحصیلوں کی سطح پر ترقیاتی منصوبوں کا اعلان دراصل لوگوں کو ان کے دروازے پر سہولتیں اور امکانات فراہم کرنا ہے جس سے بڑے شہروں میں آبادی کا سیلاب کم ہوگا۔کھیل نوجوانوں کی طاقت کا مثبت عملی اظہار ہے۔طاقت کے دریا پر بند باندھ دئے جائیں تو وہ سیلاب یعنی تخریب میں بدل جاتا ہے۔کاش ہر فرد خواجہ فرید کے اس کلام کو زندگی کا پیمانہ بنا کر عمل کی رہگزر پر سفر شروع کردے۔ترقی اور تبدیلی صرف چند لوگوں کی محنت سے نہیں بلکہ اکثریت کی حرکت سے آتی ہے۔

غلام فرید اا وہدی اوہ جانے
ساکوں اپنی توڑ نبھاون دے

# ناروے آنے کا ارادہ ہو تو کچھ ضروری باتیں جان لیجئے

تحریر: نادرہ مہر نواز

اگر آپ ناروے آنا چاہتے ہیں یا آپ ناروے میں ہیں اور یہاں کے سسٹم کو جاننا اور سمجھنا چاہتے ہیں تو شاید اس مضمون سے آپ کی کچھ رہنمائی ہو سکے۔

### ویزا کون سا اور کیسے؟

اگر آپ کے کوئی رشتے دار ناروے میں ہیں اور آپ انہیں ملنے آنا چاہتے ہیں۔ یا آپ کی کسی نارویجین شہری سے شادی ہوئی ہے اور اب آپ ناروے آنے کے خواہشمند ہیں تو آپ کو فیملی ویزا کی درخواست دینی ہے۔ جو آپ کو یہاں بلا رہے ہیں انہیں آپ کی گارنٹی اور اپنی آمدنی کی تفصیلات فراہم کرنی ہو گی۔ پروسس میں وقت لگتا ہے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اگر آپ ناروے کام کے سلسلے میں آنا چاہتے ہیں تو آپ کو ریزیڈنٹ ویزا درکار ہے اور اس کے ساتھ ورک پرمٹ بھی۔ جو کاغذات آپ سے مانگے گئے ہیں انہیں تیار رکھیں۔ بہتر یہ ہے کہ پہلے کوئی کام ڈھونڈ لیجئے پھر ویزا کی درخواست دیجیے۔ اگر آپ کو سیاسی، مذہبی یا سماجی بنیادوں پر تحفظ اور پناہ چاہیئے تو اس کے لیئے کوئی ویزا نہیں ہے۔ لیکن آپ کو یا تو ناروے میں ہونا چاہیئے یا ناروے کی سرحد پر۔ یہاں تک آپ کو خود آنا ہو گا اور اسائلم کی درخواست دینی ہو گی۔ اس کے بعد آپ کو حکومت کے بنائے کیمپز میں ٹھہرایا جائے گا۔ درخواست کا حتمی جواب آنے تک آپ کو یہیں رہنا ہو گا۔ آپ یہاں آ کر تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے تعلیمی ویزا کی درخواست دینی ہو گی۔ وزٹ ویزا پر آپ ناروے گھومنے پھرنے آسکتے ہیں لیکن ویزا کی معیاد ختم ہوتے ہی آپ کو واپس جانا ہو گا۔ ناروے کا ویزا اپلائی کرتے ہوئے درست نوعیت کے ویزا کی درخواست دیں۔ تمام معلومات صحیح اور اپ ڈیٹ ہوں۔ انتظار کیجیے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

### امیگریشن ۔ مشکل پر ناممکن نہیں

ناروے کی امیگریشن حاصل کرنا آسان کام نہیں۔ لیکن اگر آپ کوالیفائی کرتے ہیں تو اتنا مشکل بھی نہیں۔ یوڈی آئی (UDI) ناروے کا امیگریشن کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔ اس سے آپ کو واسطہ پڑتا رہے گا۔ یہاں کام کرنے والے اپنے کام میں ماہر ہیں اور ایک ایک ڈاکیومنٹ غور سے پڑھتے ہیں اور اپنے قانون کو سامنے رکھتے ہوئے اس پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ آپ بھی اپنے تمام کاغذات درست رکھیں اور جو کچھ مانگا گیا ہے مہیا کریں۔ ذرا سی بھول چوک سے آپ کو مزید وقت لگ سکتا ہے۔ آپ اپنے کیس کے بارے میں فون کر کے بھی پوچھ سکتے ہیں بس فون پر بیس تیس منٹ کا انتظار لگ سکتا ہے۔ مزید اور مفصل معلومات آپ کو ناروے امیگریشن کی ویب سائیٹ پر مل جائیں گی۔ ہوسکتا ہے کچھ لوگوں کا تجربہ تلخ رہا ہو لیکن یہ بات ذہن میں رکھیں یہ فیصلے قانون کے تابع ہیں۔ آپ مکمل تیاری رکھیں۔ ہر سوال کا آپ کے پاس جواب ہونا چاہیئے۔ انٹرویو ہو تو پوری تیاری سے جایں۔ زبان کا مسئلہ ہے تو آپ کو مترجم بھی فراہم کیا جائے گا۔ سیاسی، مذہبی اور سماجی پناہ کی درخواستوں پر پورا غور اور پوری تحقیق کی جاتی ہے۔ انٹرویو تفصیلی ہوتا ہے آپ کو تمام ڈاکیومنٹس اور ثبوت تیار رکھنے چاہیں۔ یہ مرحلہ مشکل اور طویل ہے۔ اگر آپ کے تمام ڈاکیومنٹس درست ہیں اور آپ نے کوئی غلط بیانی بھی نہیں کی تو کوئی مسئلہ بھی نہیں پڑے گا۔ یوڈی آئی کے لوگ بُرے لوگ نہیں ہیں۔ فیصلوں پر اپیل کا حق بھی آپ کو ملتا ہے۔

### ناروے کی شہریت

اگر آپ چار سے سات سال تک ناروے میں قانونی طور پر رہ رہے ہیں اور آپ کے پاس ورک پرمٹ بھی ہے اور آپ اپنے خرچے خود اٹھا رہے ہیں تو آپ پرمانینٹ ریذیڈینسی یا شہریت کی درخواست دے سکتے ہیں۔ ناروے کی شہریت حاصل کرنے کے لیئے آپ کو اپنی پہلی شہریت سرنڈر کرنی ہو گی۔ البتہ کچھ ملکوں کے ساتھ ناروے کا دوہری شہریت کا معاہدہ ہے۔ غلط بیانی سے شہریت حاصل کرلیں اور بعد میں جھوٹ پکڑا جائے تو شہریت کینسل اور ڈی پورٹ ہونے کا امکان ہے۔

کام قانونی ہو اور آمدنی کافی ہو۔ ٹیکس کی ادائیگی ہو اور ریکارڈ صاف ہو۔

### کام کی تلاش

یہ ایک انتہائی تھکا دینے والی تلاش ہے۔ آپ کی سی وی کتنی ہی رُعب دار کیوں نہ ہو کام ملنا آسان نہیں۔ ناروے کی 32 فیصد آبادی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ اس لئے اونچی پوزیشنز کے لیئے مقابلہ سخت ہے۔ نارویجینز بھلے اس کا اعتراف نہ کریں یہ حقیقت ہے کہ نارویجینز کی پہلی ترجیح نارویجینز ہی ہوتے ہیں۔ یہاں وہ کچھ کچھ نیشنلسٹ ہیں۔ اس میں وہ کسی حد تک حق بجانب بھی ہیں۔ وہ اپنی زبان کو اہمیت دیتے ہیں۔ سارا کام ہی نارویجین زبان میں ہوتا ہے۔ کسی زبان سے ناآشنا کو کام دینا انہیں مہنگا پڑ سکتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے قانون، قواعد اور ثقافت کو اہم جانتے ہیں۔ بالکل نئے بندے کو رکھنا سے ہر بات سکھانا آسان نہیں۔ اگر آپ کو کام مل جائے تو نارو جینز کے برابر ہی تنخواہ ملے گی۔ اس میں کوئی امتیاز نہیں۔ کام نہ ملنے میں زبان کی کمزوری سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ایک اہم بات ورک پرمٹ کے بغیر یہاں کام کالا دھندا کہلاتا ہے اور اس کے سنگین نتائج ہیں۔ NAV کا ادارہ کام ڈھونڈنے میں رہنمائی کر سکتا ہے۔ متاثر کن سی وی بنایں۔ زبان سیکھیں۔ یہاں کے قوانین کا احترام کریں اور کلچر سے واقفیت حاصل کریں۔

### زبان سیکھنا مشکل لیکن از حد ضروری

اگر آپ گھر سے یہ سوچ کر ناروے آئے ہیں کہ آپ کو انگریزی آتی ہے بلکہ بہت اچھی

آتی ہے آپ کام چلالیں گے اور ناروجین سیکھنے کی آپ کو ضرورت ہی نہیں پڑے گا تو آپ غلط ہیں۔ زبان سیکھے بنا آپ کہیں نہیں جا پائیں گے۔ لیکن آپ نے گھبرانا نہیں۔ نئے آنے والوں کے کورس کا نہایت اعلیٰ انتظام ہے آپ سیکھنے والے بنیں۔ کورس کے کئی لیول ہیں۔ کورسز دن میں بھی ہوتے ہیں اور شام میں بھی۔ اس کے علاوہ آن لائن کورسز بھی دستیاب ہیں۔ لائبریری سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے۔ یہاں نئے سیکھنے والوں کے لیئے کتب، سی ڈیز اور فلمیں مل سکتی ہیں۔ ایک کیفے کا انتظام بھی ہے جہاں زبان سیکھنے والے مل کر آپس میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ کورس میں آپ کو زبان کے ساتھ ساتھ کام کے لیئے درخواست لکھنا، انٹرویو کی تیاری اور ناروے کے قوانین اور سوشل اسٹڈیز کی بھی جانکاری ملتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ سب بالکل مفت ہے۔ ہاں امتحان کی کچھ فیس آپ کو دینی ہوتی ہے۔ فیل ہو جائیں تو دگنا خرچا۔ اس لیئے دل لگا کر پڑھائی کریں۔ زبان مشکل ہے خاص طور پر یہ کہ اس زبان کے مختلف لہجے ہیں اور انہیں سمجھنا اور سیکھنا مشکل ہے۔ لیکن اگر آپ کو عام ناروجین آ جائے تو یہ کافی ہے۔ زبان سیکھنا کامیابی کی کنجی ہے۔ اس کے بغیر نہ کام اچھا ملے گا نہ سوسائیٹی میں کوئی مقام۔ بہتر یہ ہے کہ ناروے آنے سے پہلے ہی آپ زبان کی شدبد حاصل کر لیں۔ انٹرنیٹ پر بہت کچھ مل جائے گا۔

## ڈرائیونگ لائسنس بڑا مہنگا

یہ ایک کٹھن اور بے حد مہنگا حصول ہے۔ آپ دس بیس سال سے اپنے ملک میں گاڑی چلا رہے ہوں اور خود کو ماہر ڈرائیور بھی سمجھتے ہوں پھر بھی یہاں آ کر آپ کو نئے سرے سے کوشش کرنی پڑے گی۔ آپ سمجھیں گے کہ یہ کیا بڑی بات ہے۔ گاڑی چلانا تو آتا ہی ہے جا کر امتحان دے دیں گے پاس بھی ہو جائیں گے۔ آپ پھر غلط سمجھے۔ پہلے تو آپ کو کسی ڈرائیونگ اسکول میں داخلہ لینا ہو گا۔ پھر تھیوری کا امتحان دینا ہو گا۔ یہ ایک گنجلک امتحان ہے۔ کوئی بہت ہی خوش نصیب ہوتا ہے جو پہلی بار ہی پاس ہو جائے۔ ایسے ایسے چکرا دینے والے سوالات ہوتے ہیں جو آپ کی نظر میں عملی دنیا میں کسی کام کے نہیں۔ پھر آپ کو مختلف کورسز کرنے ہوتے ہیں جمی ہوئی برف کی پھسلن پر گاڑی چلانا، رات کے اندھیرے میں، لمبی ڈرائیو اور شہر کی ٹریفک میں ڈرائیونگ۔ ان سب کی الگ الگ فیسیں ہیں۔ کسی ایک میں فیل ہو گئے تو دوبارہ امتحان دیں دوبارہ فیس دیں۔ پاکستان سے آنے والوں کے لئے جو وہاں ڈرائیونگ کر چکے ہیں کچھ اور مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں گاڑیاں سیدھے ہاتھ پر نہیں، الٹے ہاتھ پر چلتی ہیں۔ راؤنڈ اباوٹ پر کنفیوژن سا رہتا ہے کہ دائیں جانا ہے یا بائیں۔ پریکٹس کرتے رہیں۔ ٹریفک کے قوانین سخت ہیں۔ تیز رفتاری یا نشے میں گاڑی چلانے پر سنگین جرمانے ہو سکتے ہیں اور اگر یہی جرم دہرایا گیا تو لائسنس سے ہاتھ بھی دھو بیٹھیں گے۔ تھیوری دھیان سے پڑھیں۔ یہ کتاب انگلش میں بھی دستیاب ہے۔ انٹرنیٹ پر بھی ہے۔ ٹریفیک سائنز کو سمجھیے۔ لائسنس مہنگا ہے اس پر کم سے کم بیس ہزار کرونا یعنی لگ بھگ دو ہزار ڈالر لگ سکتے ہیں۔ پیسے جمع کرنا شروع کر دیں۔

## ہائے مہنگائی

اب یہ بات کیا بار بار دہرائی جائے کہ ناروے میں بہت مہنگا ہے لیکن تنخواہیں بھی اسی حساب سے زیادہ ہیں اور معیار زندگی بھی اونچا۔ ٹیکس کا نظام ایسا ہے کہ ہے کہ کوئی گڑبڑ کر نہیں سکتا۔ آپ کی آمدنی کا کم سے کم تیس فیصد ریاست لے لیتی ہے اور اس کے بدلے آپ کو صحت، تعلیم اور بے روزگاری الاؤنس فراہم کرتی ہے۔ کفایت شعاری اپنایئے۔ کھانا بھی گھر پر کھایئے۔ کام مل جانے پر گزارا ہو ہی جائے گا۔ ناروے مہنگا ضرور ہے لیکن گذارے لائق ہے۔ ٹیکس میں گڑبڑ کی کوشش ہرگز نہ کریں۔ یہ جرم قابل معافی نہیں۔

## ناروے کا موسم

ناروے آنے سے پہلے آپ نے ضرور سنا ہو گا کہ یہاں ٹھنڈ بہت پڑتی ہے۔ آپ نے سوچا کہ بھئی کتنی ٹھنڈ ہوتی ہو گی؟ سویٹر ہے، کوٹ بھی لے لیا ہے جوتے اور جرابیں بھی ہیں۔ بس اور کیا؟ ایک بار پھر آپ کے اندازے غلط ہیں۔ یہاں کی سردی کا آپ وہاں بیٹھے اندازہ لگا ہی نہیں سکتے۔ موسم سرما شدید ہی نہیں طولانی بھی ہے۔ یہاں تو گرمیوں میں بھی ٹھنڈ پڑتی ہے۔ بقول خود ان کے ناروے میں دو ہی موسم ہیں سفید سردی اور سبز سردی۔ خیر یہ مذاق کی بات ہے۔ لیکن آپ ذہنی اور جسمانی طور پر تیار ہو کر آئیں۔ بارش، برف پھسلن اور منفی درجہ حرارت سب بھگتنا پڑے گا۔ یہاں آ کر آپ کو موسم کی سختی کا اندازہ ہو جائے اور اسی حساب سے اپنے لباس اور جوتے خریدیں۔ جیسا کہ نارویجینز خود کہتے ہیں کہ کوئی موسم خراب نہیں بس آپ کا لباس ناکافی یا نامناسب ہوتا ہے۔

## کیا یہاں دوست بنانا مشکل ہے؟

جی ہاں۔ آپ اپنے بارے میں کتنے ہی خوش گمان کیوں نہ ہو کہ بھئی ہم اتنے ہنس مکھ اور خوش اخلاق ہیں منٹوں میں غیروں کو دوست بنا لیتے ہیں۔ یہاں معاملہ کچھ مختلف ہے۔ نارویجین الگ تھلگ رہنے والے لوگ ہیں لیکن بد اخلاق نہیں۔ یوں سرراہ یا دوران سفر دوستی نہیں لگاتے۔ گپ شپ کی عادت نہیں۔ یہ ان کا وہ کنزرویٹو رویہ ہے جسے ہم کبھی کبھار بد اخلاقی سمجھ لیتے ہیں۔ نارویجیوں کا یہ رویہ خود اپنے ہم وطنوں سے بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن جب دوست بن جاتے ہیں تو دوستی خوب نبھاتے ہیں۔ ہم گرم ماحول کے لوگ ہیں۔ جذبات میں بھی گرمی ہے اس لیے ان کا یہ سرد رویہ تکلیف دیتا ہے۔ برسوں ساتھ رہنے والے پڑوسیوں سے آپ کی بات چیت ہیلو ہائے، میری کرسمس اور ہیپی نیو ایئر سے آگے نہیں بڑھتی۔ ہم اکثر یہ گمان کر لیتے ہیں کہ نارویجینز نسل پرست ہیں۔ پڑوسی بے نیازی دکھاتا ہے تو ہم اسے ریسیسٹ کہتے ہیں۔ بچہ امتحان میں اچھے نمبر نہیں لا سکا تو ٹیچر نسل پرست ہے۔ کام پر دیر سے آنے یا جلدی جانے پر باس کچھ پوچھ لے تو وہ بھی غیر ملکیوں کے معاملے میں تنگ نظر اور تنگ دل ہے۔ ڈرائیونگ ٹسٹ میں فیل ہوئے تو اس پر بھی یہی الزام۔ ناروجینز نسل پرست اور تنگ نظر نہیں اگر ایسا ہوتا تو نہ ہم یہاں ہوتے اور نہ ہی آپ یہاں آبسنے کے خواہشمند ہوتے۔

❁❁❁

# تاریخ کے جھروکوں سے

## ہفت روزہ "لاہور" روزنامچے کی اشاعت کے بعد

ہفت روزہ لاہور کا وجود ہمیشہ ہی بھٹو صاحب کو کھٹکتا رہا انہوں نے پہلے مدیر "لاہور" کو زیرِ بار احسان کرنے کے لئے دو کاروں اور پیسے کے پرمٹ بھجوائے جب شاہین اس پر زیر دام نہ آیا تو سرگودھا میں مجلس تحفظِ ختم نبوت کے صدر راؤ عبدالمنان سے (جو پنجاب میں) انسپکٹر جنرل پولیس راؤ عبدالرشید کے عزیز تھے۔ لاہور کے پبلشر اور پرنٹر کے خلاف "ازالہ حیثیت عرفی" کا ایک استغاثہ دائر کروایا اور جب یہ سازش بھی نامراد ثابت ہوئی تو روزنامچہ کی اشاعت کی پاداش میں "لاہور" کے پبلشر (ثاقب زیروی) اور پرنٹر (میاں محمد شفیع عرف م۔ش) کے خلاف "ڈیفنس آف پاکستان رولز" کے تحت دو کیس تھانے میں رجسٹر کروا دیئے۔ جن میں سے ایک میں دس سال اور دوسرے میں پندرہ سال سزا تھی اور "ڈی پی او" کے تحت درج ہونے والے ان مقدمات کو بھٹو صاحب کے چہیتے اور ان کی داد و ہش سے (ربوہ ریلوے اسٹیشن پر 29 مئی 1974ء کو برپا ہونے والے ایک جعلی فساد کو ہوا دینے والے) اخبارات نے خوب خوب ہی اُچھالا۔

اس روزنامچے میں جو کوئی پندرہ قسطوں میں شائع ہوا۔ تاریخ وار اور شہروار ان مظالم کی مختصر تفصیل دی گئی تھی جو ان کے ڈیڑھ، دو ہزار (مار دھاڑ، لوٹ کھسوٹ، قتل عام اور تباہی و بربادی میں ماہر خرید کردہ کارندے) احمدیوں کے خلاف جگہ جگہ ڈھاتے رہے تھے۔ اور جن کے ثبوت کے طور پر ان تمام مظالم کے خلاف دائر کردہ ابتدائی اطلاعی رپورٹوں "ایف آئی آرز" کی نقول ادارہ لاہور کے پاس تھیں۔ ہمارے لئے اب کوئی چارہ باقی نہ تھا کہ مقدمات رجسٹر ہونے کی اطلاع ملتے ہی "ضمانت قبل از گرفتاری" کرائیں جو چودھری عزیز احمد باجوہ (سینئر ایڈووکیٹ لاہور نے) اگلے ہی دن رٹ ہائی کورٹ میں دائر کر دی۔ جو سماعت کے لئے ڈویژن بینچ میں لگی جس کے سربراہ ریٹائرڈ چیف جسٹس سید نسیم حسن شاہ اور ایم۔ ایس۔ ایچ قریشی تھے۔

سید نسیم حسن شاہ صاحب سے صرف اتنی ہی غائبانہ واقفیت تھی کہ وہ سید محسن شاہ صاحب کے صاحبزادے ہیں جو ان دنوں زیرِ تعلیم تھے جب یہ خاکسار دو تین دفعہ ان کی کوٹھی پر حضرت امام جماعت احمدیہ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا کوئی پیغام "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" سے متعلق لے کر جاتا رہا۔ البتہ م۔ش صاحب سے وہ خوب شناسا تھے۔

عجیب بات ہے کہ جس بنچ میں ضمانت کے لئے ہماری رٹ لگی۔ اسی میں راجہ منور احمد اور مسٹر حنیف رامے کے کیس بھی تھے جو اُن دنوں حکمرانِ وقت کے زیرِ عتاب تھے اور باقاعدہ ہتھکڑیوں کے ساتھ عدالت میں لائے جاتے تھے۔ ہمارا کیس ان جج صاحبان نے کوئی چھ ماہ تک سُنا اور سُننا بھی ایسا کہ شروع تک نہ کیا بس ہر دفعہ ڈیڑھ، دو ماہ کی تاریخ دے دی جاتی اور ایڈووکیٹ جنرل سے کہہ دیا جاتا کہ ہم نے ابھی سماعت شروع نہیں کی انہیں گرفتار نہ کیا جائے اور پولیس کو منع فرما دیتے جو ہر تاریخ پر ہتھکڑیوں کے ساتھ عدالت کے دروازے پر موجود ہوتی تھی۔ مَیں نے محسوس کیا کہ جسٹس نسیم حسن شاہ جرأت آفریں اور ہمت افزا و معنی نگر تبصرے کرنے میں یدِطولیٰ رکھتے ہیں اور اس انداز سے تبصرہ فرماتے ہیں کہ سرکاری عمال کی گردنیں ندامت سے جُھک جاتی ہیں مثلاً جب پہلی پیشی ہوئی تو سید نسیم حسن شاہ صاحب نے دریافت فرمایا

"ملزم کہاں ہیں؟ Where is the accused?" "مَیں نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ "مائی لارڈ۔" "مَیں ہوں ثاقب زیروی"

فرمایا: "وہ ثاقب زیروی جو تحریکِ پاکستان میں اس ملک اور قوم کے ترانے گاتا رہا جس کی قومی نظموں کی بڑی دھوم رہی"

"اور شریکِ الزام: Co-Accused" اس پر میاں محمد شفیع عرف م۔ش کھڑے ہوئے اور عرض کیا مائی لارڈ "م۔ش"

فرمایا: "وہ! "م۔ش" میں محمد شفیع (علامہ اقبال کا سیکرٹری) جو اس ملک اور قوم کے لئے دو دفعہ قید ہوئے۔"

"مسٹر ایڈووکیٹ جنرل! تحریکِ پاکستان کے ان دو جیّد کارکنوں سے بہتر لوگ ڈیفنس آف پاکستان رولز کے لئے کہاں مل سکتے ہیں بہرحال ہم آج سماعت نہیں کر رہے انہیں گرفتار نہ کیا جائے۔"

کوئی ڈیڑھ ماہ بعد دُوسری پیشی ہوئی۔ اور سید نسیم حسن شاہ صاحب نے اس عاجز کو مخاطب کرکے فرمایا

"مسٹر ثاقب زیروی! یہ جو روزنامچے میں آپ نے بعض تفاصیل شائع کی ہیں یہ واقعات کہیں ہوئے بھی ہیں یا آپ نے محض شعر ہی کہہ دیئے ہیں؟"

عرض کی۔ "مائی لارڈ! All these are facts اور ان تمام سانحات کی ابتدائی اطلاعی رپورٹوں کی نقول میرے پاس محفوظ ہیں"

فرمایا:

"All these are facts and you are discussing the facts in this regeim. How simple you are"

یعنی: یہ تمام باتیں حقائق پر مبنی ہیں اور آپ اس دورِ حکومت میں حقائق زیرِ بحث لا رہے ہیں۔ آپ بھی کتنے سادہ ہیں۔

"مسٹر ایڈووکیٹ جنرل ان کی سادگی کی داد دیجئے ابھی ہم سماعت شروع نہیں کر رہے انہیں گرفتار نہ کیا جائے۔"

اور پھر دو ایک پیشیوں کے بعد چودھری عزیز احمد صاحب باجوہ (مرحوم و مغفور) کو بلوا کر

کہا کہ ہمارے پاس تو ڈی پی آر میں ضمانت لینے کا اختیار ہی نہیں ہے۔ آپ خاموشی سے درخواست واپس لے لیں ہم ایڈووکیٹ جنرل سے وعدہ لئے لیتے ہیں کہ انہیں گرفتار نہ کیا جائے اور چودھری صاحب نے ایسا ہی کیا۔ مگر اوپر سے انسپکٹر جنرل پولیس کو بدستور گرفتاری کی ہدایت آتی رہیں یہاں تک کے ایک دن قلعہ گوجر سنگھ کے تھانیدار صاحب آئے اور آئی جی صاحب کی ہدایت کے بارے میں بتایا۔ مَیں نے انہیں اعتماد میں لے کر بتایا کہ ''ایڈووکیٹ جنرل نے عدالت عالیہ سے گرفتار نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔'' وہ کہنے لگے: ''اگر یہی بات ایڈووکیٹ جنرل یا ان کے نائب مجھے کہہ دیں تو میں تعمیل حکم سے بچ جاؤں گا۔''

مَیں نے ہائیکورٹ بار میں پیغام بھجوایا۔ چودھری عزیز احمد باجوہ اور ان کے بھائی چودھری محمد عبداللہ باجوہ ایک چھوٹی سی کار میں پہنچ گئے اور پھر مجھے اور تھانیدار صاحب کو لے کر ایڈووکیٹ جنرل اور ان کے نائب کی کوٹھیوں کا کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک طواف کرتے رہے مگر دونوں میں سے کوئی نہ ملا حتّٰی کہ تھانیدار صاحب نے کہا: ''چودھری صاحب آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے اب زیادہ تردد نہ فرمائیے۔ میں آئی جی صاحب کو یقین دلادوں گا۔''

اللہ اللہ جب وہ مالک الملک اپنے کسی بندے کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو کس طرح اپنے فرشتہ سیرت بندوں کو اس کی امداد کی تاکید فرما دیتا ہے۔

پی این اے کی تحریک زوروں پر تھی۔ بھٹو صاحب انتخابات پر مجبور ہو گئے تھے۔ ہفت روزہ لاہور 32 ملکوں میں جاتا ہے اور ملکوں کے سفراء کی طرف سے انہیں روزنامچے کی تفاصیل پر کئی ملکوں کی طرف سے احتجاج کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ تنگ آکر انہوں نے حکم دیا کہ ہمیں گرفتار کرلیا جائے۔ پولیس کی ایک باقاعدہ نفری آئی اور مجھے لے گئی پھر م۔ش صاحب کو بھی پریس سے لے لیا۔ قلعہ گوجر سنگھ کا تھانہ ان دنوں زیر تعمیر تھا۔ اس لئے انسپکٹر صاحب نے ہم ملزموں کے لئے ایک خیمہ نصب کر رکھا تھا جس میں ایک میز، دو کرسیاں اور ایک چارپائی تھی۔ اتنے میں منشی لال دین صاحب نے ہمارے وکلاء کو پیغام بھجوا دیا۔ ان میں سے تین تو ہمارے پاس پہنچ گئے دو ہوم سیکرٹری سے ملنے چلے گئے اور ایک ایڈووکیٹ جنرل صاحب سے جا ملے۔

شام اتری تو ایس۔ ایچ۔ او صاحب خیمے میں تشریف لائے اور کہا کہ: ''ہمارے یہاں کوئی حوالات نہیں ہے۔ ہمیں آپ کو بہر حال سول لائینز کے تھانے میں بھیجنا ہوگا مگر میرا خیال ہے کہ ہم آج لکھت پڑھت نہ کریں۔ آپ اپنے گھروں میں جاکر آرام کریں۔ اور کل ساڑھے نو سے 10 بجے کے درمیان آجائیں اور ٹربیونل میں ضمانت کے لئے درخواست دیتے آئیں۔''

عرض کیا۔ ''کیا آج ہمیں آپ ہماری مرضی سے لائے تھے یا اپنی مرضی سے اور کیا کل کوئی آپ کا اہلکار وہاں آئے گا یا ہم خود ہی آجائیں۔'' جواب ملا۔ ''ہمارا کوئی اہلکار گیا تو سو باتیں بنیں گی۔ آپ باعزت لوگ ہیں ہم آپ پر اعتماد کرتے ہیں آپ خود ہی آجائیں۔''

مَیں م۔ش صاحب کے یہ کہنے پر کہ چار پانچ دن ہماری ضمانت نہیں ہوگی آخر بڑے صاحب کا حکم ہے گھر آکر رات بھر اگلے ہفتے کا پرچہ تیار کرتا رہا اس کے بعد نوافل کے دوران میں اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ گرفتاری نہیں ہوگی۔ کوئی پونے نو بجے کے قریب م۔ش صاحب آگئے اور میں اُن کے اصرار کے باوجود ساز و سامان کے بغیر ان کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پریس میں پہنچے، چائے منگوائی، کوئی ساڑھے نو بجے مرزا نصیر احمد اور چودھری اعجاز نصر اللہ خاں ایڈووکیٹ پہنچ گئے۔ ہم نے کہا۔

''آپ چائے پی کر جائیں گے یا آکر پئیں گے؟'' وہ جلد ہی تھانے کو چلے گئے جب لوٹے تو ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ایک ڈبہ بھی تھا۔ کہنے لگے انسپکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ: ''گرفتاری نہیں ہوگی۔ آج ساڑھے آٹھ بجے صبح بھٹو صاحب کے سیاسی مشیر جناب (محمد حیات ٹمن) کا فون آیا ہے کہ گرفتاری نہ ڈالی جائے۔''

(تجربات جو ہیں امانت حیات کی)۔

## ساقیٔ کوثر سے

### (ثاقب زیروی)

کوئی ایسا جام بھی ساقیا جو سراپا سوز وگداز ہو
سرِ طور ان سے ہو گفتگو سرِ عرش راز ونیاز ہو
مَیں ترے کرم کا مجاز ہوں یہی بخششوں کا جواز ہو
مرے دامنِ دلِ مضطرب کو نصیب خاکِ حجاز ہو
یہ حضورؐ پاک کی روشنی کہ فضا کو نُور ہے زاہدو
اسی نُور سے جو وضو کرو تو ادا دِلوں کی نماز ہو
تری چشمِ لُطف عطا کرے وہ ستارہ گیر جسارتیں
کہ جمالِ طُور کی راہ میں نہ نشیب ہو نہ فراز ہو
ترا لُطفِ خاص ہو بے کراں تیرا عفو سب پہ ہو ضوفشاں
مری آرزو ہے کہ سلسلہ تری رحمتوں کا دراز ہو
یہی آرزو' یہی التجا' یہی ہر گھڑی ہے مری دُعا
مری کائناتِ حیات میں ترا عشق درد و گداز ہو
تری عظمتوں کا جواب کیا تیری رفعتوں کا حساب کیا
یہ تیرا مقامِ بلند ہے کہ خدا سے راز و نیاز ہو
تیرے دستِ فیضِ دوام سے جو طلب کیا ہے سو مِل گیا
کوئی مجھ سا طالبِ عفو ہو کوئی تجھ سا بندہ نواز ہو
ترے دِل میں ثاقبِ خستہ جاں نہ ہو ظلمتوں کا کوئی نشاں
تری آرزو کی بساط پر جو وہ حُسن جلوہ طراز ہو

❁❁❁

# نکھرتے رنگ

تحریر: سلمیٰ قریشی سرگودھا پاکستان

صفدر حسبِ معمول اماں ابا کے پاس آیا تو دونوں کو کچھ خاموش پایا۔

کیا ہوا اماں! طبیعت تو ٹھیک ہے نا! ...''ٹھیک ہوں بیٹا... پر''

''کیا ہوا؟''... ''آج بہو کھانا دینے آئی تو کہنے لگی، اماں بیٹے سے کہیے کوئی ملازمہ رکھیں... مجھ سے اب یہ سب نہیں ہوتا!''... ''عجیب بات ہے! میں بات کروں گا، اس سے۔''...صالحہ اور مطالبہ!!! حیرت ہے!!

دو طرفہ سوچ کا فرق ذہنوں کی خلیج کو گہرا کر رہا تھا۔

''ارے... کس چیز کی کمی ہے اسے، مالکن بنی بیٹھی ہے گھر کی... اور کیا چاہیے!''

اماں کچھ خوش نہ تھیں۔

ماحول میں کچھ تناؤ سا پیدا ہو گیا...

پھر یوں ہوا کہ زندگی کی رفتار یکدم سُست پڑ گئی... زمین جیسے تھک کر بیٹھ گئی ہو۔ دور دراز ملکوں سے اُٹھنے والے وبائی عفریت نے ہر جگہ زندگی کی شہ رگ پر پنجے گاڑ دیئے تھے۔ بے فکر لمحوں میں اندیشے بولنے لگے تھے اور لاابالی اداؤں میں تفکرات کی پرچھائیں جھلکنے لگی تھی۔ انسانی ترقی کی کمند ٹوٹ کر زمین بوس ہو گئی۔

باہر کے ہنگامے گھروں کے اندر دھماچوکڑی مچانے لگے تھے... بکھری سرگرمیاں سمٹ کر گھروں میں قید ہو گئیں... سڑکیں کشادہ اور گھر تنگ لگنے لگے۔

دفتری اوقات میں کمی ہوئی تو صفدر کا بیشتر وقت گھر پر گزرنے لگا۔

صالحہ کی مصروفیت اور بڑھ گئی... آج کچھ لوگ صائمہ کو دیکھنے کیلئے آ رہے ہیں، صالحہ، چائے کا اچھا سا بندوبست کرنا، جو کچھ چاہیے بتا دینا، لے آؤں گا۔

صالحہ پھر رواں دواں ہو گئی... مہمانوں کے آنے تک گھر لش پش کر رہا تھا۔

مہمانوں کی آؤ بھگت اور تعریفوں کی پھوار میں بھیگتی صالحہ اپنے سگھڑاپے کو سنبھالتی پھر کچن میں...۔

مگر صالحہ محسوس کر رہی تھی کہ صفدر کی نظریں ہمہ وقت اس کا تعاقب کرتی رہتی ہیں،،،، جیسے کچھ تلاش کر رہی ہوں... وہ منہ سے کچھ نہ بولتا مگر نگاہوں سے اسے یوں پرکھتا کہ اسکے قدم ادھر کے اُدھر پڑنے لگتے... اسکی نظروں کی تپش کو اپنی پشت پر محسوس کر کے غائب ہونے میں عافیت سمجھتی... صالحہ کے معمولات کو صفدر پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا... صالحہ ناشتہ بنا رہی ہے... صالحہ میز لگا رہی ہے...

بچوں کو آوازیں دی جا رہی ہیں...

اماں ابا کو انکے کمرے ہی میں دے آئی ہے...

صائمہ! آ جاؤ جلدی سے نیچے! ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے!

صفائی ہو رہی ہے... کھانا بن رہا ہے... چائے... کھانا... کام... کام... کام... ایک مشین تھی... جسکا نام تھا... صالحہ!!! ... صفدر چکرا سا جاتا۔

صالحہ کے بدلے ہوئے رویے کی وجہ اسکی سمجھ میں آنے لگی۔

ادھر صالحہ کی الجھن نے بڑھتے بڑھتے ذہنی دباؤ کی صورت اختیار کر لی جسے وہ سہہ نہ پائی۔... سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اچانک ہی چکرا گئی، سر ریلنگ سے ٹکرایا اور وہ فرش پر آن گری۔... صفدر نے لپک کر سہارا دیا مگر وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔... فوراً ایمبولینس بلوا کر ہسپتال لے گئے...... معلوم ہوا بلڈ پریشر ایکدم سے شوٹ کر گیا تھا... ڈاکٹر نے مکمل آرام کی ہدایت کی... یہ کہتے ہوئے کہ یہ خطرے کا الارم ہے۔

سب بولائے بولائے سے پھر رہے تھے... گھر کا پہیہ یکبارگی رُک گیا... سناٹا سا چھا گیا... وہ جس کے ہونے کا کسی کو احساس تک نہ تھا... پتہ چلا وہ تو سب کچھ تھی...

صبح صالحہ کی آنکھ دیر سے کھلی، دیکھا تو صفدر چائے کے دو کپ ہاتھوں میں اُٹھائے کھڑا ہے...

''صفدر، آپ!! وہ میں!! بس آنکھ ہی نہیں کھلی! شاید دوا کا اثر تھا۔''صالحہ نے اُٹھنا چاہا...

''کوئی بات نہیں، اگر آج میں نے بنا دی تو! صالحہ کو پیالی پکڑا کر وہ پلنگ پر ہی بیٹھ گیا۔''صالحہ اُڑن کھٹولے پر سوار ستاروں کی جگمگ جگمگ راہ پر چلنے لگی۔

چائے پیتے ہوئے صفدر بولا،'' طبیعت سنبھلے تو تمہارے امی ابا کی طرف چلیں گے ...دو تین دن وہاں رہ بھی لینا''...''اور گھر!! گھر کا کیا ہو گا؟''

''بھئی میں دیکھوں گا... فارغ تو بیٹھا رہتا ہوں۔ اور صائمہ بھی ذرا ہاتھ پاؤں ہلائے ... کل کو اُسے اپنے گھر کی ہونا ہے''...صالحہ بے ساختہ مسکرا دی... پتہ نہیں کتنے دنوں بعد!! ...''اچھا! اماں سے پوچھ لوں''...

''اُن سے بات کر چکا ہوں...تم تیاری کرو!''

صالحہ کو لگا کہ جیسے لمبے سفر سے گھر لوٹی ہے... کسقدر ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہی تھی... قدم یوں اُٹھ رہے تھے جیسے پیروں میں جھانجھریں پہن رکھی ہوں... چھن... چھن چھن!! ... گلاب رنگ اُسکے گالوں میں اُتر آئے تھے... صالحہ خوب صورت تھی!!! ... صفدر نے خود کو تھوڑا بدل کر زندگی کے پھیکے پڑتے رنگوں کو کتنا گہرا کر دیا تھا۔

❀❀❀

# پاکستان کے پہلے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی پیدائش

## جب بچے کے دادا نے والد سے پوچھا کہ یہ حرام کام آپ نے تو نہیں کیا ہے؟

تحریر: سارہ عتیق

### میرے نام میں تو ماں ہے لیکن شاید میرے نصیب میں ماں بننا نہیں

اُم حبیبہ 24 سال کی تھیں جب ان کی شادی ہوئی۔ آج ان کی شادی کو 11 سال سے زیادہ ہو گئے ہیں لیکن ان کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ اُم حبیبہ نے ان 11 برسوں میں پاکستان کے تمام بڑے ڈاکٹروں، حکیموں یہاں تک کہ پیروں تک سے رجوع کر لیا لیکن کسی کے پاس ان کے مسئلے کا حل نہیں تھا اور جو حل ہے وہ اس ملک میں ممکن نہیں۔

یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ میرے اس مرض کا علاج اور اس کی سہولیات تو موجود ہیں لیکن ہمارا معاشرہ اور قانون اس کے اجازت نہیں دیتا۔

متعدد ٹیسٹ کروانے کے بعد اُم حبیبہ کو معلوم ہوا کہ ان کے ایگز کا معیار اس قابل نہیں کہ وہ صحت مند بچے کو جنم دے سکیں۔ ڈاکٹروں نے انھیں ان ویٹرو فرٹیلائزیشن (آئی وی ایف) علاج کا مشورہ دیا یعنی ان کے ایگز اور ان کے شوہر کا سپرم ان کے جسم سے نکال کر لیبارٹری میں ملایا جائے گا اور دو دن بعد ان کی بچہ دانی میں واپس ڈال دیا جائے گا۔

اُم حبیبہ دو مرتبہ اس طریقے سے حاملہ ہوئیں لیکن دونوں ہی بار ان کا حمل زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکا۔ ان کا کہنا ہے کہ آئی وی ایف کی یہ قسم تو ان کے لیے فائدہ مند ثابت نہ ہو سکی لیکن جو قسم ہو سکتی ہے اس کی اجازت پاکستان میں نہیں۔

ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اگر وہ اپنے ایگز کے بجائے کسی اور کے عطیہ شدہ ایگز استعمال کریں تو ان کے ہاں اولاد ہونے کے امکانات زیادہ ہیں، لیکن انھیں اس کی اجازت نہیں۔

### جب پاکستان میں پہلے ٹیسٹ ٹیوب بچے کو ”حرام“ کہا گیا

پاکستان میں بانجھ پن کے علاج کے لیے آئی وی ایف کا آغاز 1984 میں ہوا اور اس کو پاکستان میں متعارف کروانے والے ڈاکٹر راشد لطیف خاں تھے جنھوں نے لاہور میں پاکستان کے پہلے آئی وی ایف سنٹر ”لائف“ کا قیام کیا تھا۔

ان کی پانچ سال کی کوششوں کے بعد سنہ 1989 میں پاکستان کے پہلے ٹیسٹ ٹیوب بچے کی پیدائش کو ممکن بنایا گیا۔

جب دنیا کا پہلا ٹیسٹ ٹیوب بچہ برطانیہ میں ہوا تو کسی نے اس کو سچ ماننے سے انکار کیا، تو کسی نے اسے پر تنقید کی یہاں تک کہ انڈیا کا پہلا ٹیسٹ ٹیوب بچہ پیدا کرنے والے ڈاکٹر سبھاش مکھوپادھیائے نے تو مسلسل تنقید اور ہراساں کیے جانے کے بعد تنگ آ کر بالآخر خودکشی ہی کر لی۔

ان کی کہانی کسی اور دن سنائیں گے لیکن ابھی بات کرتے ہیں ڈاکٹر راشد کی جن کا سفر بھی آسان ہرگز نہ تھا اور انھیں بھی کم و بیش اسی قسم کے رویوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن ڈاکٹر صاحب نے ناکامیوں اور تنقید کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے جب تک انھیں ان کے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہو گئی۔

آج پاکستان میں آئی وی ایف سے سالانہ ہزاروں بچے پیدا ہوتے ہیں لیکن جب ڈاکٹر راشد نے اس ٹیکنالوجی کو پاکستان میں متعارف کروانے کا سوچا تو اس وقت اس سے متعلق پوری دنیا ہی میں آگاہی اور وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔

انھوں نے اس کے لیے آسٹریلیا خط لکھا جہاں دنیا کا تیسرا ٹیسٹ ٹیوب بچہ پیدا ہوا تھا اور ان سے اس حوالے سے ٹریننگ کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی اور ڈاکٹر راشد اس کا کورس کرنے آسٹریلیا چلے گئے۔ وطن واپسی پر انھوں نے آئی وی ایف سنٹر قائم کیا جہاں اس علاج کا آغاز کیا گیا تاہم پانچ سال تک انھیں کوئی کامیابی نہ مل سکی۔

ڈاکٹر راشد کے مطابق انھیں اس علاج کے لیے کبھی بھی لوگوں کی تلاش نہیں کرنی پڑی اور اولاد کے خواہش مند جوڑے امید کی آس لیے ان کے پاس آتے رہے۔

میں نے ہمیشہ اپنے مریضوں کو سچ بتایا کہ ہمیں اس علاج میں کامیابی حاصل نہیں ہو رہی لیکن میرے پاس جو بھی جوڑا آتا اسے مجھ پر اور میری ٹیم پر پورا بھروسہ تھا اس لیے وہ کہتے ڈاکٹر صاحب بسم اللہ کریں ہمارا ہو جائے گا۔

ڈاکٹر راشد بتاتے ہیں کہ اس علاج کے نتیجے میں جب پہلا حمل ہوا تو ان کی ٹیم کے ایک فرد کا بھائی پاکستان کے بڑے اخبار میں کام کرتا تھا لہٰذا انھوں نے اس اخبار میں اس سرخی کے ساتھ کہ پاکستان میں آئی وی ایف کا پہلا حمل ہو گیا ہے خبر چھپوا دی۔

ان کے مطابق اس خبر کے چھپنے کے بعد دس علما نے اس کے خلاف میڈیا میں بیانات جاری کیے اور اسے حرام اور امریکی سازش قرار دیا۔

ڈاکٹر راشد نے اس وقت اس تنقید کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا کیونکہ حمل کے کچھ عرصے بعد ہی انھیں معلوم ہوا کہ یہ ”اکٹوپک“ حمل ہے اس لیے اسے ضائع کرنا پڑا۔

جب آئی وی ایف کے ذریعے دوسری بار حمل ہوا اور اسے چند ماہ گزر گئے تو ڈاکٹر راشد نے ان تمام علما جنھوں نے آئی وی ایف پر تنقید کی تھی کے ایڈریس نکلوائے اور ہر ایک کے پاس جا کر پوچھا کہ آیا وہ آئی وی ایف عمل کے بارے میں جانتے ہیں بھی یا نہیں تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ اس سے متعلق آگاہی نہیں رکھتے۔

وہ بتاتے ہیں کہ اس وقت پاکستان میں بائی پاس نیا نیا شروع ہوا تھا تو میں نے انھیں کہا کہ

اگر مرد کے دل کی نالیوں میں موجود خلل کو دور کرنے کے لیے دل کا بائی پاس ہوسکتا ہے تو عورت کی بچہ دانی میں موجود خلل کو دور کرنے کے لیے بھی تو بائی پاس ہوسکتا ہے؟ جس پر ان علماء کو میری بات سمجھ آئی۔

پانچ سال کی لگاتار کوششوں کے بعد جب ڈاکٹر راشد اور ان کی ٹیم کو کامیابی حاصل ہوئی اور پاکستان کے پہلے ٹیسٹ ٹیوب بچے کی پیدائش کا دن قریب آیا تو انھوں نے اس کے لیے خاص انتظامات کیے۔

اس بچے کی پیدائش کے لیے چھ جولائی 1989 کا دن منتخب کیا گیا کیونکہ ڈاکٹر راشد کی ٹیم سمجھتی تھی کہ پانچ جولائی کیونکہ ضیاالحق نے مارشل لا لگایا تھا اس لیے شاید کچھ لوگ اس دن کو پسند نہ کرتے ہوں۔

اس کے علاوہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میڈیا بچے کے والدین کو سوالات پوچھ کر اور تصاویر لے کر ہراساں کرے اس لیے انھوں نے اس دن پانچ بچے پیدا کئے تاکہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ان میں آئی وی ایف یا ٹیسٹ ٹیوب بچہ کون سا ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ جب اگلے دن یہ خبر اخبار میں چھپ گئی کہ پاکستان کا پہلا ٹیسٹ ٹیوب بچہ پیدا ہوا ہے تو بچے کے والد نے مجھے آ کر کہا کہ ڈاکٹر صاحب یہ خبر پڑھ کر میرا باپ (بچے کا دادا) پوچھ رہا تھا کہ یہ حرام کام تم نے تو نہیں کیا؟

## آئی وی ایف کیا ہے اور اس پر کتنی لاگت آتی ہے؟

کسی مرد یا عورت میں موجود نقص یا پیچیدگی کی وجہ سے جب مرد کا سپرم عورت کے ایگز تک نہ پہنچ سکے اور اس کی وجہ سے قدرتی طور پر بچے کی پیدائش ممکن نہ ہو تو عورت کے ایگز اور مرد کے سپرمز کو ان کے جسم سے باہر نکال کر ان کو لیبارٹری میں ملا دیا جاتا ہے جس کے دو دن بعد اسے عورت کی بچے دانی میں ڈال دیا جاتا ہے جہاں یہ عام حمل کی طرح نشو ونما پاتا ہے اور نو ماہ کے بعد بچے کی پیدائش ہوتی ہے۔

تاہم یہ آئی وی ایف کی صرف ایک قسم ہے۔اس کے علاوہ ”سروگیسی“ اور عطیہ شدہ ڈونر ایگ اور عطیہ شدہ ڈونر سپرم کے ذریعے بھی بے اولاد جوڑوں کو اولاد کی نعمت کا حصول ممکن ہے۔

سروگیسی کے عمل میں مرد کا سپرم اور عورت کا ایگ ملا کر کسی تیسری خاتون کی بچے دانی میں رکھ دیا جاتا ہے جہاں نو ماہ تک نشو ونما پانے کے بعد بچے کی پیدائش ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ اگر مرد کا نطفہ یا عورت کے ایگ کا معیار صحت مند بچے پیدا کرنے کے لیے کافی نہیں تو اس کی جگہ عطیہ شدہ (ڈونر) کسی اور کے ایگز یا سپرمز سے بھی بچے کی پیدائش ممکن ہے۔

یعنی اگر بیوی کے ایگز کا معیار ٹھیک نہیں تو اس کی جگہ کسی اور کا ایگ شوہر کے سپرم کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے اور اسے بیوی کی بچے دانی یا کسی اور عورت (سروگیٹ ماں) کی بچے دانی میں نشو نما کے لیے رکھا جا سکتا ہے۔اسی طرح اگر مرد کے سپرم کا معیار اچھا نہیں تو بیوی کے ایگز کو کسی دوسرے مرد کے سپرمز کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔

پاکستان میں آج کل آئی وی ایف ذریعہ علاج کی لاگت چار لاکھ روپے تک ہے۔

## آئی وی ایف کے ذریعے بیٹا یا بیٹی کا انتخاب بھی ممکن ہے؟

آئی وی ایف کے ذریعے پیدا ہونے والے بچے کی جنس کا انتخاب بھی ممکن ہے۔ماہرین کے مطابق پاکستانی معاشرے میں زیادہ تر افراد بیٹے کے خواہشمند ہوتے ہیں اور اکثر اوقات اس خواہش کے تکمیل کے لیے ایک کے بعد ایک بیٹی پیدا کرنے اور ایک سے زیادہ شادیاں کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔اس لیے پاکستان میں فیملی سپیسنگ کے تحت آئی وی ایف کروانے والے جوڑا بچے کی جنس کا انتخاب کر سکتا ہے۔

پاکستان کے سب سے بڑے آئی وی ایف سینٹر حمید لطیف ہسپتال کے سربراہ ڈاکٹر راشد لطیف کے مطابق ان کے پاس آنے والے جوڑے اس کا انتخاب تو کر سکتے ہیں کہ انھیں آئی وی ایف کے ذریعے بیٹا چاہیے یا بیٹی لیکن اس کے لیے لازمی ہے کہ بیٹے کے خواہشمند افراد کی پہلے ایک بیٹی ہو۔

دنیا کے دیگر ممالک میں بھی آئی وی ایف سے ہونے والے بچے کا جنس کا انتخاب کیا جا سکتا ہے لیکن یہ انتخاب والدین کی ذاتی پسند یا ناپسند پر نہیں ہوتا بلکہ والدین میں موجود کسی جینیاتی بیماری کی بچے میں متوقع منتقلی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

کچھ ایسی جینیاتی بیماریاں ہیں جس کا خطرہ لڑکیوں میں زیادہ ہوتا ہے اور کچھ ایسی ہیں جس کا خطرہ لڑکوں میں زیادہ ہوتا ہے تو انھیں دیکھتے ہوئے بیٹے اور بیٹی کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

## کیا پاکستانی قوانین اور اسلام میں آئی وی ایف اجازت ہے؟

سنہ 1978 میں جب دنیا کا پہلا ٹیسٹ ٹیوب بچہ پیدا ہوا تو 1980 میں مصر کی جامعہ الازہر نے اس حوالے سے فتویٰ جاری کیا جس میں کہا گیا کہ اگر آئی وی ایف میں استعمال ہونے والے ایگز بیوی اور سپرمز شوہر کے ہوں تو اس سے پیدا ہونے والا بچہ جائز اور شریعت کے مطابق ہوگا۔

اس لیے جب پاکستان میں پہلے ٹیسٹ ٹیوب بچے کی پیدائش ہوئی تو اگرچہ بہت سے علما نے انفرادی طور پر اس پر اعتراضات اٹھائے لیکن جامعہ الازہر کے اس فتویٰ کی بنیاد پر ریاستی سطح پر آئی وی ایف سے متعلق 2015 تک کوئی اعتراضات سامنے نہیں آئے۔لیکن پھر 2015 میں ایک جوڑے نے آئی وی ایف سے پیدا ہونے والے بچے کی تحویل سے متعلق مسئلہ لے کر وفاقی شریعت کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

پاکستانی نژاد امریکی ڈاکٹر فاروق صدیقی اور ان کی بیوی کئی سال سے اولاد سے محروم تھے لہٰذا انھوں نے اخبار میں اشتہار دیا کہ انھیں بچے کی پیدائش کے لیے کرائے کی کوکھ درکار ہے یعنی ان کے ہونے والے بچے کی سروگیٹ ماں بنے اور اس کے لیے اس عورت کو معاوضہ بھی دیا جائے گا۔

اس اشتہار کو پڑھ کر فرزانہ ناہید نے ڈاکٹر فاروق صدیقی سے رجوع کیا اور ان کے بچے کی ماں بننے پر آمادگی ظاہر کی۔ڈاکٹر فاروق کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے ناہید سے زبانی معاہدہ کیا کہ وہ ان کے بچے کو پیدا کریں گی جس کے لیے انھیں معاوضہ دیا جائے گا۔

ڈاکٹر فاروق کے مطابق انھوں نے فرزانہ کو ڈاکٹر کے معائنے اور علاج کے لیے 25 ہزار روپے دیے۔ فرزانہ نے نو ماہ بعد ایک بیٹی کو جنم دیا لیکن بیٹی کی پیدائش کے بعد انھوں نے بچی ڈاکٹر فاروق اور ان کی بیوی کو دینے سے انکار کر دیا۔

ادھر فرزانہ کا دعویٰ تھا کہ وہ ڈاکٹر فاروق کی بیوی ہیں لہٰذا ڈاکٹر فاروق انھیں بچی کا ماہانہ نان ونفقہ دیں جبکہ ڈاکٹر فاروق کا کہنا تھا کہ خاندان والوں کی تنقید سے بچنے کے لیے انھوں نے فرزانہ سے شادی کا ڈھونگ رچایا لیکن کبھی شادی نہیں کی اور فرزانہ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے لہٰذا عدالت بچی کو ڈاکٹر فاروق کی تحویل میں دے۔

وفاقی شریعت کورٹ نے 2017 میں اس کیس کا فیصلہ سناتے ہوئے آئی وی ایف کو صرف اس صورت میں پاکستانی قانون اور شریعت کے مطابق قرار دیا اگر اس میں استعمال ہونے والا ایگ اور بچہ دانی دونوں بیوی کے جبکہ سپرم شوہر کا ہو۔ شریعت کورٹ نے اس فیصلے میں عطیہ شدہ ڈونر ایگز اور عطیہ شدہ ڈونر سپرمز سے پیدا ہونے والے بچے کو ناجائز قرار دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سروگیسی یعنی کرائے کی کوکھ سے بچے کی پیدائش کو غیر قانونی قرار دیا اور تعزیرات پاکستان میں ترمیم کی سفارش کرتے ہوئے سروگیسی کو قابل سزا جرم قرار دینے کو کہا اور اس میں ملوث مرد، عورت اور ڈاکٹر کے لیے سخت سزا تجویز کرنے کی بھی سفارش کی۔ اس فیصلے میں عطیہ شدہ ایگز اور سپرم بینک رکھنے والوں کے خلاف بھی کارروائی کرنے کو کہا گیا۔ شریعت کورٹ کے اس فیصلے کے مطابق آئی وی ایف سے پیدا ہونے والا بچے کا قانونی باپ وہ ہوگا جس کا سپرم ہوگا اور بچے کی قانونی ماں وہ ہوگی جس کا ایگ ہوگا۔ اس فیصلے میں کہا گیا کہ عطیہ شدہ ایگ یا سپرم سے پیدا ہونے والے بچے کے لیے شریعت کے طے شدہ وراثت کے اصولوں کا اطلاق مشکل ہوگا اس لیے یہ عمل شریعت قوانین کے منافی ہے۔

**تاہم ایران اور لبنان میں عطیہ شدہ ایگز کے ساتھ بچے کی پیدائش کو جائز قرار دیا گیا ہے۔**

ایران کے رہبر اعلیٰ آیت اللہ علی خامنہ ای کے فتویٰ کے مطابق ایگز اور سپرمز کو عطیہ کرنا جائز ہے۔ شیعہ مکتبہ فکر میں سروگیسی کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے اور سروگیٹ ماں کو رضاعی ماں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

نیشنل انسٹیٹیوٹ آف پاپولیشن سٹڈیز کے مطابق پاکستان میں 22 فیصد جوڑے بانجھ پن کا شکار ہیں یعنی ہر پانچ میں سے ایک جوڑا قدرتی عمل سے بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے اور انھیں اس کے لیے مدد درکار ہے۔

ڈاکٹر راشد لطیف کہتے ہیں کہ اگرچہ بانجھ پن کے امکانات عورت اور مرد میں ایک جتنے ہوتے ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک میں اولاد نہ ہونے کے لیے زیادہ تر بیوی کو قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے اور مرد اپنا ٹیسٹ کروانے سے بھی کتراتے ہیں۔ ڈاکٹر راشد کا اپنے پاس آنے والے جوڑوں کو ہمیشہ مشورہ ہوتا ہے کہ پہلے مرد اپنا ٹیسٹ کروائیں کیونکہ ان کے ٹیسٹ کی قیمت بھی کم ہے اس میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی اور نتائج بھی جلدی آجاتے ہیں جبکہ عورت کے ٹیسٹ میں تکلیف بھی ہوتی ہے اور اس کے لیے وقت اور پیسہ زیادہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر راشد مانتے ہیں کہ پاکستان میں دستیاب آئی وی ایف علاج ان تمام جوڑوں کے لیے موثر نہیں شاید یہی وجہ ہے کہ اولاد کے خواہشمند افراد اس کے علاج کے لیے ملک سے باہر بھی جاتے ہیں یا پھر غیر قانونی طریقوں کا سہارا لیتے ہیں۔

## پاکستان میں آئی وی ایف کی نگرانی کا فقدان

پاکستان میں آئی وی ایف کے آغاز کو 37 سال ہوگئے ہیں لیکن پاکستان میں اب تک کتنے بچے آئی وی ایف سے پیدا ہوئے ہیں اور ہر سال کتنے جوڑے بانجھ پن کے علاج کے لیے آئی وی ایف کا انتخاب کرتے ہیں اور اس وقت ملک میں کتنے آئی وی ایف سینٹرز ہیں اس پر کوئی سرکاری اعداد و شمار دستیاب نہیں۔ تاہم ایک غیر سرکاری اندازے کے مطابق سنہ 1989 سے اب تک پاکستان میں دس ہزار سے زائد بچوں کی پیدائش آئی وی ایف کے تحت ہو چکی ہے جبکہ 200 سے زیادہ آئی وی ایف سینٹرز اس وقت پاکستان میں کام کر رہے ہیں۔ پاکستان کے سب سے بڑے آئی وی ایف سنٹر حمید لطیف کے مطابق ان کے پاس سالانہ ایک ہزار جوڑے آئی وی ایف علاج کروانے کے لیے آتے ہیں لیکن اس کے باوجود حکومت کی جانب سے ان سینٹرز کی باقاعدہ نگرانی کا کوئی نظام موجود نہیں اور نہ ہی اس بارے میں کوئی قانون سازی کی گئی ہے۔ اگرچہ شریعت کورٹ کے 2017 کے فیصلے میں بھی حکومت کو اس پر باقاعدہ قانون سازی کرنے کا کہا گیا تھا۔ تاہم اس سب کے درمیان اُم حبیبہ کی آئی وی ایف سے جڑی امید کچھ کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ وہ کہتی ہیں میں 35 برس کی ہوں اور بڑھتی عمر کے ساتھ بچے کی پیدائش سے متعلق پیچیدگیوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ بڑھتی عمر کے ساتھ آئی وی ایف کی کامیابی کے امکانات کم ہو جائیں گے اس لیے اب میرے پاس یہی راستہ بچا ہے کہ میں عطیہ شدہ ایگز کے ساتھ ہونے والے آئی وی ایف بچے کی پیدائش کے لیے ملک سے باہر جاؤں جو کہ شاید میری استطاعت سے بھی بہت باہر ہے لیکن انسان اولاد کے لیے کیا کیا نہیں کرتا۔ ❁❁❁

### کیا ہے گر اس نے ہماری بات کی

(سعدیہ تسنیم سحر)

کیا ہے گر اس نے ہماری بات کی
ڈھل گئی ہے دھوپ اب جذبات کی
آن بیٹھے خود پرندے جال پر
دیکھی ہے بازی کبھی شہ ،مات کی
توڑ ڈالے معبد و مندر سبھی
رہ گئی ہے قدر کیا حرمات کی
مفسدو! مانگے گا جب وہ خود جواب
کیا وضاحت دو گے ان حرکات کی
چڑھ کے میرے کاندھے پر اونچے ہوئے
بات کرتے ہیں جو اب اوقات کی

❁❁❁

# حنا کے بنا سنگھار ادھورا

تحریر: تمثیلہ زاہد

صنف نازک کے سنگھار میں مہندی کا کردار کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔عید کا تہوار ہو یا شادی کی تقریب، سالگرہ کی خوشی کا موقع ہو یا گھر میں کوئی بڑی تقریب کا اہتمام ہو.... مہندی کی شوقین لڑکیاں ہوں یا خواتین انہیں اپنا ہار سنگھار مہندی کے بغیر ادھورا لگتا ہے۔مہندی کے رنگ عید کے تہوار ہی پر نہیں بکھیرے جاتے بلکہ خوشیوں کے ہر موقع پر خاص طور پر خاندان میں شادی کی تقریب کے موقع پر سب ہی لڑکیاں مہندی کے فنکشن سے قبل اپنے ہاتھوں کو حنا کے رنگوں سے سجا کر مکمل کر لیتی ہیں۔

حنا کی اس سرخی نے ماضی سے لے کر اب تک کے سفر میں کئی ادوار دیکھے ہیں ماضی میں مہندی یعنی حنا کا استعمال فطری اور روایتی انداز میں کیا جاتا تھا۔ کسی کسی گھر میں مہندی کی باڑھ لگا کرتی تھی۔

اس باڑھ سے پہلے سبز پتیاں توڑ کر سکھائی جاتی تھیں پھر ان سوکھی پتیوں کو سل پر پیسا جاتا تھا۔ یہ پسی ہوئی مہندی مٹی کی کٹوریوں میں ڈال دی جاتی تھیں۔

مٹی کی کٹوریوں میں گھول کر ڈالنے کی وجہ یہ تھی کہ اس سے تا دیر مہندی تازی رہتی تھی، پہلے بڑی بوڑھی خواتین اور نوجوان لڑکیاں تنکوں کی مدد سے اس حنا کو اپنے ہاتھوں اور پیروں پر گول ٹکیاں بنایا کرتی تھیں۔ عین وسط میں گول ٹکیاں بنا کر انگلیوں کی پوروں کو بھی ناخنوں سمیت رنگ لیا جاتا تھا۔ بوڑھی خواتین ہتھیلی میں تھوڑی سی مہندی بھر کر مٹھی بند کر لیتی تھیں۔

پوری ہتھیلی اور انگلیاں حنا سے رچ جاتی اور اس کی مہک چہار سو بکھرنے لگتی۔ وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ سرخ سرخ مہکتی حنا کے نئے نئے جدید ڈیزائن متعارف کرا دیئے ہیں۔ لگانے کے انداز میں بھی دن بدن جدت آتی جا رہی ہے۔ مہندی کی کونزاب آسانی سے بازار میں دستیاب ہیں۔ جن میں ایمرجنسی کونز بھی شامل ہیں۔ فوری طور پر مطلوبہ گہرا رنگ حاصل کرنے کے لئے اکثر لڑکیوں کا انتخاب ایمرجنسی کون ہوتا ہے۔ لڑکیاں اب اپنی پسند اور شوق کو ملحوظ خاطر رکھ کر ڈیزائن کا پہلے پارلر جا کر انتخاب کرتی ہیں۔ یا انٹرنیٹ پر ڈیزائن پسند کر لیتی ہیں مثلاً ہاف مون، انڈین ڈیزائن، ڈیپ شیڈڈ، سادہ فلورل، عربین، سوڈانی، ملائیشین پیٹرن، تھک اینڈ بولڈ اسٹائل اور ٹیٹوز شامل ہیں جو آج کل بے حد مقبول ہیں۔

اپنی خوشیوں کا اظہار اور ہاتھوں کی سجاوٹ کو مکمل کرنے کی خاطر مہندی کا اہتمام ضرور کریں۔ رنگ حنا کے بغیر سنگھار ادھورا لگتا ہے اس کے بغیر خوشی و مسرت کا موقع مکمل نہیں ہوتا۔ حنا سے سجے خوبصورت ہاتھوں کا حسن نہ صرف مکمل ہو جاتا ہے بلکہ آپ کی شخصیت میں ساحرانہ رنگ بھر دیتا ہے۔ مہندی ہماری سنت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور مشرقی اقدار کا خاص جز بھی ہے اسے محض عید کے تہوار کے موقعوں تک محدود نہ رکھیں۔ جتنا اہتمام حنا کے رنگوں سے خود کو سجا کر عید کے موقعوں پر کیا کرتے ہیں ایسے ہی ہر خوشی اور مسرت کے موقعوں پر اپنے ہاتھوں کو مہندی کی زینت سے آراستہ کرنا نہ بھولیں۔ یہ ہماری ثقافت ہے اور اپنی ثقافت کو نسل در نسل اس کی اہمیت سے روشناس کروانا ہم بڑوں کی ذمہ داری ہے۔

❁❁❁

## ہمارا صبر ہر پل آزماتے ہو

بشریٰ سعید عاطف

کبھی مندر کبھی مسجد کو ڈھاتے ہو
خدا کا قہر ہر لمحہ کماتے ہو
مسلماں تم فقط بس نام کے ہو اب
جہالت اپنی، دنیا کو دکھاتے ہو
ہمیشہ پیروی شیطاں کی تم نے کی
خدا کے حکم پر سر کب جھکاتے ہو
اُسی کی ہے زمیں، احکام بھی اُس کے
ہو اندھے تم کسے آنکھیں دکھاتے ہو
جہاں میں نفرتوں کا ہو سبب تم ہی
نیا ہر روز فتنہ تم اٹھاتے ہو
خدا کے کیوں غضب کو دیتے ہو آواز
لگا کر آگ گھر میرا جلاتے ہو
یہ کیسی ہے تمہاری کج روی سوچو
ہمارا صبر ہر پل آزماتے ہو
نہیں آنے کی باتوں میں تری بشریٰ
ستم کیوں ایسے اُس کی جاں پہ ڈھاتے ہو

❁❁❁

# میریم مینکن

وہ خاتون سائنسدان جس نے انسان کی تولیدی زرخیزی کو بدل کر رکھ دیا

سائنسی دریافت کی درسی کہانیوں میں محقق تنہا دیر رات تک اپنی تجربہ گاہ میں تحقیق کے کاموں میں منہمک رہتا ہے۔ اچانک ذہن کا کوئی دریچہ وا ہوتا ہے، کوئی سیب سر پر گرتا ہے، کوئی بجلی کوند جاتی ہے، کوئی زہر آلود پیٹری ڈش نظر آتی ہے۔ اور پھر یوریکا یعنی کوئی دریافت سامنے ہوتی ہے!

لیکن مریم مینکن کی کہانی قدرے مختلف ہے۔ سنہ 1944 کے فروری میں منگل کی ایک رات 43 سالہ لیب ٹیکنیشین رات بھر اپنی آٹھ ماہ کی بچی کے لیے جاگتی رہیں۔ وہ اسے جاندار نسیج کا نمونہ کہتی ہیں کیونکہ ان کی بیٹی کے ابھی دانت آنے شروع ہوئے تھے۔ دوسری صبح گذشتہ چھ برسوں میں ہر ہفتے کی طرح مینکن اپنی لیب گئیں۔ بدھ کا دن تھا جب انھوں نے ایک تازہ دھلے ہوئے انڈے کو گلاس میں رکھے مادہ منویہ کے ایک محلول میں ڈالا تھا اور یہ دعا کی تھی کہ دونوں ایک ہو جائیں۔

ہارورڈ میں فرٹیلیٹی کے ماہر جان راک کی ٹیکنیشین کے طور پر مینکن کا یہ ہدف تھا کہ بیضے کو انسانی جسم کے باہر زرخیز یا ثمر بار بنایا جائے۔ بانجھ پن کے علاج کے لیے یہ کام راک کے منصوبے کا پہلا قدم تھا۔

بانجھ پن ڈاکٹروں کے لیے ہمیشہ سے پُر اسرار رہا تھا۔ جان راک بطور خاص ان خواتین کی مدد کرنا چاہتے تھے جن کی بچہ دانی صحت مند تھی لیکن ان کی بیضے کی نالی میں نقص تھا کیونکہ انھوں نے کلینک میں بانجھ پن کے معاملے میں یہ دیکھا تھا کہ ہر پانچ میں سے ایک خاتون میں یہ نقص موجود تھا۔

عام طور پر مینکن مادہ منویہ اور بیضے کو ایک دوسرے کے ساتھ 30 منٹ تک رکھتی تھیں۔ لیکن اس دن ایسا نہیں ہوا۔ کئی سال بعد انھوں نے ایک رپورٹر کو بتایا کہ کیا ہوا تھا۔ انھوں نے کہا: مائیکروسکوپ میں بیضے کے ساتھ مادہ منویہ کے کھیل کو دیکھنے کے دوران میں اس قدر تھکی ہوئی اور نیند میں تھی کہ میں گھڑی دیکھنا بھول گئی اور جب میری نظر اچانک گھڑی پر پڑی تو ایک گھنٹے کا وقفہ گزر چکا تھا۔ دوسرے لفظوں میں، میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ تقریباً چھ سال کی ناکامی کے بعد میری کامیابی کسی ذہنی دریچے کے کھلنے کے بجائے کام کے دوران ایک جھپکی کی مرہون منت ہے۔

جمعے کو جب وہ لیب آئیں تو انھیں کوئی کرشمہ نظر آیا۔ خلیے پگھل گئے تھے اور وہ تقسیم ہو رہے تھے اور انھوں نے ایک شیشے کے گلاس میں انسانی نطفے کے فرٹیلائز ہونے کی پہلی جھلک دیکھی۔

مینکن کے کارنامے نے عمل تولید کی ٹیکنالوجی کے لیے ایک نئے عہد کا آغاز کیا۔ ایک ایسے عہد کا آغاز جس میں بانجھ خواتین حاملہ ہونے لگیں، بچے ٹیسٹ ٹیوب میں ٹھہرنے لگے اور سائنسدانوں نے انسانی زندگی کے انتہائی ابتدائی مدارج میں دیکھنا شروع کر دیا۔ سن 1978 میں دنیا نے لوئس براؤن نامی پہلے نلی سے پیدا ہونے والے بچے کو دیکھا جو کہ آئی وی ایف یعنی ان وٹرو فرٹیلائزیشن سے پیدا ہونے والا بچہ تھا۔ جلد ہی آئی وی ایف ایک بڑا کاروبار بن گیا۔ سنہ 2017 میں امریکہ میں آئی وی ایف کے ذریعے دو لاکھ 84 ہزار 385 بار بچہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جس سے براؤن جیسے 78 ہزار 52 بچے پیدا ہوئے۔

ہر چند کہ انھوں نے جس طرح اپنی کہانی بیان کی مینکن کی کامیابی اتفاقیہ نہیں تھی۔ دریافت کے دوسرے عظیم لمحات کی طرح وہاں پہنچنے کے پس پشت برسوں کی تحقیق، محنت سے حاصل کی جانے والی مہارت اور ایک ہی تجربے کو بار بار دہرانے کے صبر و استقلال تھے۔ اس کے بعد انھوں نے شریک مصنف کے طور پر 18 تحقیقاتی مقالے شائع کرائے جن میں پہلی کامیابی کے تعلق سے سائنس نامی جرنل میں شائع ہونے والی دو تاریخی رپورٹس بھی شامل تھیں۔ لیکن اپنے شریک مصنف راک کی طرح ان کا نام گھر گھر نہیں لیا گیا۔ تاریخ مینکن کے کردار پھر متفق نہیں ہے۔ انھیں کئی طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ کبھی انھیں ٹیکنیشین کہا گیا تو کبھی ریسرچ اسسٹنٹ، تو کبھی ماہر علم حیاتیات، ڈاکٹر مینکن تو کبھی مس تو کبھی مسز۔ ایک طرح سے یہ تمام درست ہیں۔ نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی میں فینبرگ سکول آف میڈسن کے علم تولید کی سربراہ اور علم زچہ بچہ کی پروفیسر ٹریزا وڈرف کا کہنا کہ ان کے بارے اتنا تو کہا ہی جا سکتا ہے کہ وہ محض راک کی اسسٹنٹ کے علاوہ بھی بہت کچھ تھیں۔

وڈرف کہتی ہیں کہ میرے خیال میں انھیں جان راک کے شریک اور ہم پلہ سمجھنا چاہیے۔وہ صرف دو امدادی ہاتھ یا ٹیکنیشین نہیں تھیں جیسا کہ لوگ کہتے ہیں بلکہ وہ اپنا کام کرنے والی دانشور تھیں۔ رٹجرس یونیورسٹی کی مورخ مارگریٹ مارش اس سے اتفاق کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ راک بنیادی طور پر ایک کلینک والے تھے۔ جبکہ مینکن کے بارے میں وہ کہتی ہیں کہ وہ ایک سائنسی ذہن والی ایک سائنسدان تھی اور صحیح معنوں میں سائنسدان تھیں جو کہ سائنسی پروٹوکول کی اہمیت پر یقین رکھتی تھیں۔
راک کی 2008 میں شائع ہونے والی سوانح حیات لکھتے ہوئے مارش کو مینکن کی کہانی ملی۔فرٹیلیٹی ڈاکٹر: جان راک اینڈ دی ری پروڈکٹو ریوولیوشن نامی کتاب انھوں نے وانڈا رونر کے ساتھ مل کر لکھی ہے۔
لیکن ماضی پر نظر ڈالتے ہوئے وہ اس بات پر افسوس ظاہر کرتی ہیں کہ انھوں نے مینکن کو صرف ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر ہی بیان کیا (مارش اور رونر کی تازہ ترین کتاب دی پرسوٹ آف پیرینٹ ہڈ میں مینکن کو زیادہ کریڈٹ دیا گیا ہے)۔ وہ کہتی ہیں کہ اگر میں اس پر نظر ثانی کرتی ہوں تو میں یہ کہوں گی کہ وہ سائنسی ذہن رکھتی تھیں۔وہ صرف کسی کا حکم بجالانے والی نہیں تھیں۔

## کرشمہ کرنے والے

1900 میں ایک دن کسی بیضے کی ایک سپرم سے ملاقات ہوئی اور وہ مل گئے۔ یہ دونوں مل کر دو خلیوں میں بٹ گئے، پھر چار اور پھر آٹھ خلیوں میں بٹ گئے۔اور نو ماہ بعد 8 اگست سنہ 1901 کو لاٹویا کے ریگا میں مریم فرائڈ مین پیدا ہوئیں۔ جب وہ ابھی پاؤں پاؤں چل رہی تھیں کہ ان کا خاندان امریکہ کو ہجرت کر گیا جہاں ان کے والد نے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اتنا پیسہ حاصل کیا کہ ان کا بچپن آرام دہ گزرا جہاں گھریلو کام کے لیے خدمت گار تھے۔ وہ بعد میں یاد کرتی ہیں کہ کس طرح وہ مبہوت ہو کر یہ کہانیاں سنتی تھیں کہ جلد ہی سائنس میں ذیابیطس کا علاج تلاش کر لیا جائے گا۔
انھوں نے اپنے سائنسی کریئر کی ہونہار ابتدا کورنیل یونیورسٹی سے سنہ 1922 میں ہسٹولوجی اینڈ کمپیریٹو جینیٹکس میں گریجویشن کر کے کی اور پھر اگلے سال کولمبیا یونیورسٹی سے جینیٹکس میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی جبکہ نیو یارک میں تھوڑے عرصے کے لیے بیالوجی اور فیزیولوجی کی تعلیم دی۔
لیکن جب انھوں نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلنے کا فیصلہ اور میڈیکل سکول میں داخل ہونا چاہا تو انھیں پہلی رکاوٹ کا سامنا ہوا۔ انھیں ملک کے دو ٹاپ میڈیکل سکولوں نے مسترد کر دیا۔ وہ بعد میں یاد کرتے ہوئے کہتی ہیں: پتہ نہیں ایسا کیوں ہوا۔میرے خیال سے اس کی بڑی وجہ میری شخصیت تھی۔
درحقیقت یہ ان کے صنف کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس وقت کوئی بھی میڈیکل سکول خواتین کو قبول نہیں کرتا تھا اور جو کرتے تھے وہ بھی سختی کے ساتھ کوٹے کو نافذ کرتے تھے۔ سنہ 1917 میں ایک ڈین نے کہا کہ کورنیل نے لڑکیوں پر پابندی لگانے کی بات اس لیے کہی کہ کہیں ان کے سکول میں خواتین امیدوار کی بھرمار نہ ہو جائے۔
ہارورڈ یونیورسٹی سمیت دوسرے اداروں نے صرف جنگ کے زمانے میں خواتین طالبات کو قبول کیا۔ ہارورڈ میں تو خواتین کی پہلی کلاس سنہ 1945 میں شروع ہوئی۔
میری والش اپنی کتاب ڈاکٹرز وانٹیڈ: نو وومن نیڈ اپلائی میں لکھتی ہیں کہ کالج مباحثے میں خواتین کے سوال پر ایک فیکلٹی ممبر نے کہا کہ خواتین طلبہ کو آنے دینے کا مطلب خواتین کے بنیادی کام بچے پیدا کرنے اور ان کی پرورش کے بنیادی حیاتیاتی قانون کی خلاف ورزی ہو گی۔
اس کے بجائے انھوں نے ہارورڈ کے ایک میڈیکل کے طالب علم ولی مینکن سے شادی کی۔ مریم مینکن نے اپنے شوہر کی تعلیم کے دوران ان کا تعاون کرنے کے لیے ان کی اسسٹنٹ کے طور پر کام کیا یہاں تک کہ انھوں نے سمنس کالج سے ایک اور ڈگری سیکریٹیریئل سٹڈیز میں حاصل کر لی۔
انھوں نے تعلیم و تدریس سے اپنی قربت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بیکٹریالوجی اور ایمبریالوجی کے کورسز پورے کیے اور اپنے شوہر کی لیب میں مدد بھی کرتی رہیں۔
وہیں ان کی ملاقات ہارورڈ کے ماہر علم حیات گریگوری پنکس سے ہوئی جنھوں نے بعد میں راک کے ساتھ مل کر مانع حمل گولیاں تیار کیں۔
پنکس فریکنسٹینین سائنسدان کے طور پر بدنام ہوئے کیونکہ انھوں نے بغیر باپ کا خرگوش بنایا تھا جسے ایک قاب میں فرٹیلائز کیا تھا اور وہ صحت مند اور کودتا پھاندتا بڑا ہوا۔ انھوں نے مینکن کو غدہ نخامیہ یا پیٹیوٹری گلینڈ سے دو کلیدی ہارمونز کو کشید کرنے کا کام سونپا تھا جسے انھیں مادہ خرگوش کی بچہ دانی میں ڈالنا تھا تاکہ اس سے اضافی بیضہ بنے۔ مینکن نے ہنرمندی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا لیکن لیب میں ان کا تھوڑے ہی عرصے رہنا ہوا۔ سنہ 1937 میں پنکس کے وقت میں اضافہ نہیں کیا گیا اور وہ انگلینڈ لوٹ گئے جس کے نتیجہ ممکنہ طور پر مینکن کی نوکری کو جانا تھا۔
جلد ہی جان راک فرٹیلیٹی کے ماہر کے طور پر افق پر ابھرے اور جو پنکس کی جانور پر تحقیق کو کلینکل ریسرچ میں لے جانے کے خواہاں تھے۔ نیو انگلینڈ جرنل آف میڈیسن کے ایک غیر دستخط شدہ اداریہ میں انھوں نے لکھا: بند نلی ایک بانجھ عورت کے لیے کیسی نعمت ثابت ہو سکتی ہے۔
مینکن نے ان کی لیب میں کام کے لیے درخواست دی جسے منظور کر لیا گیا۔ مارش نے کہا: وہ سمارٹ، محکم اور محنتی تھیں جو کہ راک کے کام کے لیے بالکل فٹ تھیں۔
جبکہ راک کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ذہین، زیرک، جواب کے حل میں سرگرداں رہنے والے تھے لیکن ان کے پاس لیب کے صبر آزما کام کے لیے کوئی صبر نہیں تھا۔
قسمت سے راک کی لیباٹری سے اکتاہٹ ہی مریم کی کامیابی کی وجہ بنی۔
منگل کی ہر صبح آٹھ بجے مینکن کم آمدن والی خواتین کے لیے میساچوسٹس کے بروکلین میں قائم مفت خیراتی ہسپتال کے بیسمنٹ میں موجود آپریشن روم کے باہر منڈلایا

کرتیں۔ وہ یاد کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ قسمت سے کسی دن انھیں راک کسی بیضہ دانی کا چھوٹا سا ٹکڑا ان کے حوالے کرتے جو کسی چھوٹے ہیزل نٹ یا بندق کے برابر ہوتا۔ وہ اسے لے کر چوتھی منزل پر سیڑھیاں پھلانگتی اپنے لیب کے لیے فوراً بھاگتیں۔ وہاں وہ اسے کھولتیں اور اس میں موجود قیمتی انڈوں کو تلاش کرتیں۔

یہ کوئی آسان کارنامہ نہیں تھا۔ ہر چند کہ یہ جسم کا سب سے بڑا خلیہ ہوتا ہے تاہم انسانی بیضہ پھر بھی ایک نقطے سے چھوٹا ہوتا ہے جو ہم کسی حرف پر لگاتے ہیں۔ زیادہ تر لوگوں کو انھیں دیکھنے کے لیے خوردبین یا میگنیفائنگ گلاس کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے باوجود صرف وہ ایک گہرا نقطہ نظر آتا ہے۔

مینکن کے لیے یہ ایک کائنات تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے ہی انڈے کی نشاندہی کر لیتی تھیں اور وہ اسے صرف دیکھ کر ہی بتا دیتیں کہ وہ خراب ہے یا پھر نارمل ہے۔ انھوں نے فخریہ انداز میں خود کو راک کی ایک چیز یعنی بیضے کا پیچھا کرنے والی کہا ہے۔

ایک کے بعد دوسرے یعنی ہر ہفتے مینکن اسی روٹین پر عمل کرتیں رہیں۔ منگل کو بیضے کے لیے جاتیں، بدھ کو انھیں مادہ منویہ کے ساتھ ملاتیں، جمعرات کو دعا کرتیں اور جمعے کو مائیکروسکوپ میں دیکھتیں۔ ہر جمعے کو جب وہ انکیوبیٹر میں دیکھتیں تو انھیں ایک خلیے والا غیر فرٹیلائز بیضہ ملتا اور اس کے ساتھ مردہ سپرم کے گچھے بھی پڑے ملتے۔

انھوں نے چھ سال میں یہ عمل 138 بار دہرایا۔ یہاں تک کہ سنہ 1944 کے اس خوش قسمت دن جب انھوں نے انکیوبیٹر کا دروازہ کھولا تو وہ راک کو پکار اٹھیں۔ سکول کے بچوں سے بات کرتے ہوئے انھوں نے بعد میں کہا کہ اس دن بھی معمول کے مطابق وہ شہر کے دوسرے کونے میں واقع ہسپتال میں کسی ماں کے لیے اصلی بچہ لانے کی کوشش میں تھے۔ ہم نے انھیں ٹیلیفون کیا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ قاب میں کیا تھا ان کا رنگ کسی بھوت کی طرح سفید پڑ گیا۔ لیب دیکھنے والوں سے بھر گیا کیونکہ ہر کوئی دوڑتا ہوا سب سے کم عمر کا انسانی بچہ دیکھنے کے لیے دوڑ آیا۔ مینکن نے اس انڈے کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے اپنے ایک ٹاک کے لیے تیار کردہ مسودے میں لکھا کہ وہ اس قیمتی چیز کو اپنی نظر سے ہٹنے دینے سے خوفزدہ تھیں جو کہ چھ سال کے ادھورے خواب کی تعبیر تھی۔ اس کی حفاظت کے لیے وہ اس قاب میں قطرہ قطرہ سیال ڈالتی رہیں۔ رات دیر تک گھنٹوں وہ ایک ہاتھ سے سینڈوچ کھاتے ہوئے انڈے کے ساتھ کام کرتی رہیں اور دوسرے ہاتھ سے قطرہ قطرہ سیال ڈالتی رہیں۔ وہ اداسی کے ساتھ یاد کرتی ہیں کہ وہ پہلا انڈا ان کے ہاتھوں سے نکل گیا جو کہ ٹیسٹ ٹیوب میں پہلا اسقاط حمل تھا۔ لیکن انھوں نے وہ عمل مزید تین بار کیا اور دو خلیہ والا ایک دوسرا زائگوٹ کے ساتھ دو تین خلیوں والا زائگوٹ تیار کیا۔

انھوں نے اسے ایک گلاس میں سرخ اور نیلے ٹیپ سے باندھ کر رکھا اور پھر اسے بالٹیمور کے کارنیگی انسٹیچیوٹ آف واشنگٹن بھیج دیا۔ مینکن نے کہا کہ وہ ہمارے فخر اور ہماری خوشی کے نمونے تھے کیونکہ انھوں نے بلاشبہ یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہمارے پاس بیضے تھے۔ جب تک وہ وہاں پہنچتے راک اور مینکن کو سینکڑوں بانجھ خواتین کے خطوط موصول ہوئے جنھوں نے ان سے یہ دریافت کیا تھا کہ کیا سائنس ان کا علاج کر سکتی ہے؟ مینکن اب عمل تولید کی سائنسداں بننے کے لیے تیار تھیں جو کہ زرخیزی کی حد کو مزید آگے لے جانے والی تھیں۔ اس کے بعد انھوں نے چار خلیوں والے بیضے کی افزائش کا منصوبہ بنایا، پھر آٹھ اور پھر کون جانے کتنے؟

لیکن پھر ایسا کچھ واقع ہوا جس کے بارے میں نہ انھوں نے اور نہ ہی راک نے سوچا تھا۔ ان کے شوہر کی نوکری جاتی رہی۔ ایک اہلیہ اور ان کے بچے کی ماں ہونے کے ناطے وہ ان کے ساتھ نارتھ کیرولینا کی ڈیوک یونیورسٹی چلی گئیں جہاں آئی وی ایف کو کسی سکینڈل کے طور پر دیکھا جاتا تھا اور ایک ڈاکٹر نے تو اسے ریپ ان ویٹرو یعنی ٹیسٹ ٹیوب میں ریپ تک کہا۔ مینکن کی مہارت کے بغیر بوسٹن میں آئی وی ایف کی تحقیق رک گئی۔ اس کے بعد راک کے کسی اسسٹنٹ کو ٹیوب میں ایک بھی بیضے کو فرٹیلائز کرنے میں کامیابی نہیں ملی۔

## واضح ہدایت

سکول کے بچوں کے ساتھ بات چیت کے دوران انھوں نے ٹیوب میں مادہ منویہ اور بیضے کے ملاپ کے عمل پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: جب آپ یہ سوچتے ہیں کہ یہ بیضہ کتنا چھوٹا ہوتا ہے اور جب وہ اپنے فولیکل سے آزاد ہوتا ہے اور پھر نسبتاً زیادہ متلاطم جسمانی سرگرمی میں جا گرتا ہے تو آپ کو حیرت نہیں ہوتی کہ وہ کھو تا نہیں ہے؟ کس طرح یہ چھوٹی سی چیز ایک نقطہ اپنی جگہ تلاش کر لیتا ہے جہاں اسے جانا ہے۔؟

بیضے کے معاملے میں مادہ کے جسم میں شاندار تغیرات رونما ہوتے ہیں اور اسے آگے لے جاتے ہیں۔ جال کی انگلیوں کا حصہ جو کہ فیلوپیئن کے ٹیوب کے آخری سرے پر یکجا ہوتا ہے تو وہ سرا سخت ہو جاتا ہے، خون سے بھر جاتا ہے اور انڈے کو ٹیوب میں کھینچتا ہے، وہاں سیلیا کہے جانے والے چھوٹے روئیں بیضے کو مزید اندر کھینچتے ہیں یہاں تک کہ اسے بیضہ دانی میں لے جاتے ہیں۔

مینکن کے معاملے میں دو چیزیں انھیں فرٹیلیٹی کی تحقیق کی جانب لے گئیں۔ ایک تو ان کی مستقل لگن اور پھر تھوڑی سی قسمت۔ ان کے شوہر کی ملازمت انھیں جگہ جگہ لے گئی تاہم انھوں نے انڈوں کا پیچھا کرنے کے مواقع اور لیب کی تلاش جاری رکھی۔

انھوں نے عمل تولید پر کام کرنے والے معروف محققوں کے دروازے کھٹکھٹائے اور راک سے اپنا تعارف لکھنے کی گذارش کی۔ نارتھویسٹر یونیورسٹی میں تاریخ کی پروفیسر جنھوں نے تولیدی سائنس میں مینکن کی خدمات کے بارے میں لکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ وہی کر سکتا تھا جو کہ بہت لگن والا ہو کہ کسی لیب میں اچانک جا کر یہ کہے کہ ہائے میں جان راک کے ساتھ کام کرتی تھی کیا مجھے لیب میں تھوڑا موقع ملے گا۔

اس کے لیے بے باک نہیں تو بہت حد تک اعتماد اور کام کرنے کی شدید خواہش کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن سنہ 1945 میں مینکن نے نارتھ کیرولینا سے راک کو لکھا

کہ یہاں بیٹھے پر کام کرنے کے مواقع بھی بھی حوصلہ شکن ہیں۔ بہرحال لیب کے بغیر بھی وہ راک کے ساتھ دور سے ہی تعاون کرتی رہیں۔ سنہ 1948 میں دونوں نے آئی وی ایف کی اپنی پہلی کامیابی پر مشترکہ تحقیقی مقالہ لکھا جو کہ سائنس نامی جریدے میں شائع ہوا اور اس میں پہلے مصنف کے طور پر مینکن کا نام تھا۔

لیکن آئی وی ایف کے میدان میں تحقیق کے سلسلے میں انھیں جلد ہی بعض پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا انھوں نے ویلی سے طلاق کو روکے رکھا تھا جو کہ ان کے بچے لوسی اور گیبریل کے سامنے اس پر تشدد کرتا اور اس نے پیسہ دینا بھی بند کر دیا تھا۔

ستمبر 1948 کے اپنے ایک خط میں انھوں نے لکھا: میرے خیال سے اس سے بہت صدمہ ہو گا اور طلاق کا طعنہ برداشت کرنا بطور خاص گیبریل کے لیے بہت مشکل ہو گا۔ لیکن جب ان کے شوہر کا برتاؤ مزید خراب ہوتا گیا تو انھوں نے طلاق کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے اگلے ماہ لکھا: میں اس سست رفتاری کے ساتھ خودکشی کی خواہش نہیں رکھتی۔ انھوں نے ایک وکیل سے رجوع کیا، طلاق کی درخواست دی اور لوسی کو اپنی تحویل میں رکھنے کی اجازت حاصل کر لی۔ ایک اکیلی ماں کے طور پر انھیں تمام ضروریات پوری کرنے میں مشکلات آنے لگی۔ ان پر لوسی کی ذمہ داری بڑھ گئی جسے مرگی آتی تھی اور ہمیشہ بیمار رہتی تھی اور اسے ماہر نفسیات اور ڈاکٹروں کے پاس لے جانا پڑتا تھا۔ جب مینکن کو چھٹیوں کی راتوں میں بغیر معاوضے کے لیب کے استعمال کی اجازت ملی تو ان کے لیے ایسا کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔

سنہ 1950 کی دہائی کے اوائل میں مینکن لوسی کو سپیشل چائلڈ والے سکول میں داخل کرانے کے لیے بوسٹن واپس آ گئیں۔ اس کے بعد وہ پھر راک کے ساتھ لیب میں کام کرنے لگیں لیکن اس ایک دہائی میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔ اس وقت تولیدی کام زیادہ بچے ٹیوب میں تیار کرنے کا نہیں تھا بلکہ زیادہ بچے پیدا ہونے سے بچانے کا کام ہونے لگا تھا۔ راک اور ان کی لیب کا بنیادی مشن اب مانع حمل کے آسان طریقے کو فروغ دینا تھا۔ یہ وہ کام تھا جس کے نتیجے میں سنہ 1960 میں مانع حمل گولیوں کی تاریخی منظوری دی گئی۔ جوں جوں راک اپنے حتمی ہدف کی طرف بڑھ رہے تھے مریم پردے کے پیچھے سے ان کے لٹریری اسسٹنٹ کے طور پر ان کے لیے کام کر رہی تھیں۔ وہ جاپانی سپرم کے منجمد کرنے سے لے کر گھوڑوں میں بانجھ پن جیسے تحقیقی موضوعات کو کھنگالتیں۔ (ان کے ایک سوال کے جواب میں انھیں یہ لکھا گیا: ڈیئر مزی، دنیا بھر کی پریشانیوں کے درمیان میں اس بات پر خوش ہوں کہ آپ کو گھوڑوں کے بانجھ پن میں دلچسپی ہے!) انھوں نے شریک مصنف کے طور پر ایک تحقیقی مقالہ اس موضوع پر لکھا کہ کیا خواتین کی ماہواری کو روشنی سے مستحکم کیا جا سکتا ہے اور کیا ایک گرم کرنے والا جاکسٹریپ مردوں کو عارضی طور پر بانجھ رکھ سکتا ہے؟ اگرچہ ان کے بعد کے مقالے ان کے اصلی ہدف سے دور کے شعبے کے تھے لیکن مینکن بالآخر ان کے لیے ہی تعاون کر رہی تھی۔ راک کی طرح انھوں نے عمل تولید کے اسرار کی جانچ کی اور انھوں نے سائنس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ انھیں بھی بانجھ عورتوں کا خیال تھا اور انھیں اس ٹیکنالوجی میں اپنے تعاون پر فخر تھا جو مستقبل میں کسی دن ایسی خواتین کو ماں بننے میں مدد کرنے والی تھی۔ لیکن ذاتی طور پر انھیں آئی وی ایف کے استعمال میں دلچسپی نہیں تھی۔ انھوں نے ایک نامہ نگار سے بات کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ کبھی نہیں کرتی کیونکہ میرے خیال سے ایسا کرنا ٹھیک نہیں تھا۔ آپ اس میں بہت زیادہ خطرہ مول لیتے ہیں۔ آپ ایک عفریت تیار کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی دلچسپی رحم مادر سے باہر فرٹیلائزیشن کی پہیلیوں کو سلجھانے میں تھی۔

ان کے لیے وٹرو کا کام وسیع سائنسی پروجیکٹ میں نمائندگی کا موقع تھا لیکن اس کریئر کی تکمیل پٹری سے اتر گئی۔ یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ اگر ان کی زندگی مختلف ہوتی تو مریم مینکن نے کیا کارہائے نمایاں انجام دیے ہوتے، اگر انھوں نے ویلی سے شادی نہ کی ہوتی یا اگر انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی ہوتی۔ بس یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے عہد اور حالات نے انھیں ایک خاص بکس میں زبردستی رکھ دیا۔ اپنے سائنسی عروج کے سمت الراس پر بھی انھیں ایک مفقود السمت ذہن والی نئی ماں کے طور پر بیان کیا گیا جنھیں ایک کامیابی مل گئی۔ لیکن کسی کو انھیں اپنے طور کی ایک سائنسداں کے طور پر دیکھنے کے لیے ان کے محتاط نوٹس، سخت پروٹوکولز، اور ان کی بہتر ڈھنگ سے تحقیق کردہ ببلیوگرافی پر نظر ڈالنی چاہیے۔ یقیناً وہ صرف کسی کی حکم کی غلام نہیں تھیں۔ ❁❁❁


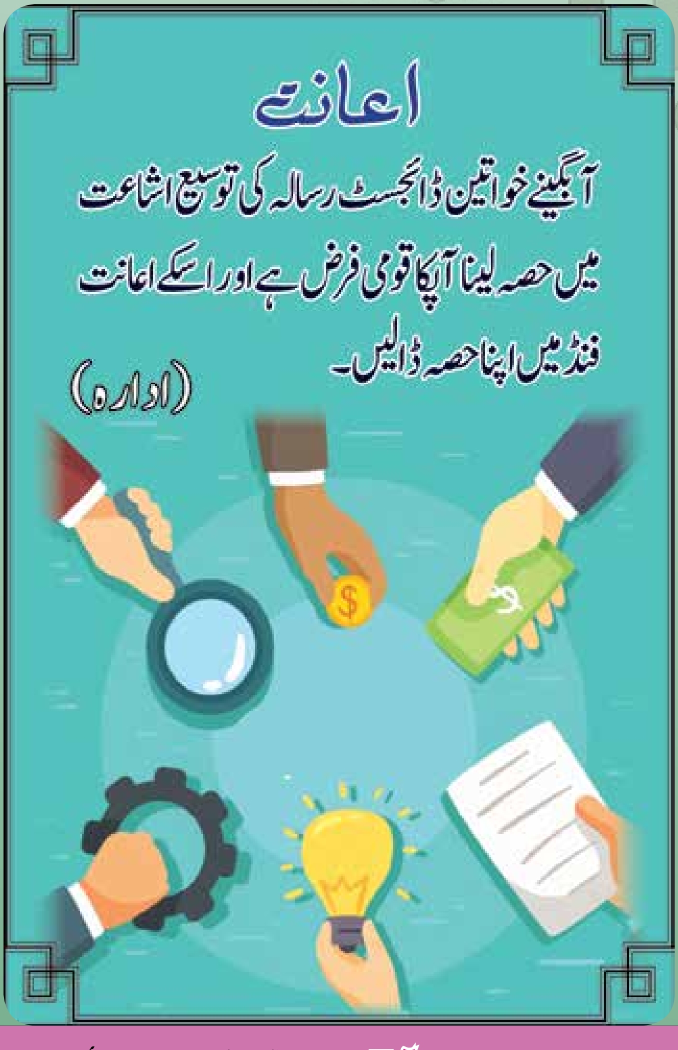

# پاکستان میں ثقافتی پسماندگی کی وجوہات

تحریر: عطیہ سبحانی

ثقافت کسی قوم یا معاشرے کے طرز زندگی کا نام ہے۔ کسی بھی معاشرے کے رسوم و رواج اور اقدار جن پر تمام لوگ عمل کرتے ہیں۔ کسی بھی قوم یا معاشرے کی شناخت اس کی ثقافت سے ہوتی ہے۔ ہر قوم اپنے طریقے سے ثقافت کو پروان چڑھاتی ہے۔ ثقافت بنیادی طور پر زمین کی چیز ہے اور زمین سے پیدا ہوئی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ثقافت میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ پہلے سے موجود ثقافت میں اوپر سے آنے والی ثقافتیں پیوند لگاتی ہیں لیکن اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ پہلے والی ثقافت ختم ہو جاتی ہے۔ اس پیوند کاری کی مثال ایسے ہی ہے جیسے لال رنگ میں بالکل تھوڑی مقدار میں مختلف رنگ شامل کیے جائیں باقی رنگ نظر تو آئیں گے لیکن زیادہ واضح رنگ لال ہو گا۔ پاکستانی ثقافت بھی کچھ ایسی ہی ہے اس خطے میں مختلف قومیں آئیں اور یہاں کی ثقافت میں اپنی ثقافت کے رنگ گھولتی رہیں۔ جب سے اس خطے کو الگ سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام دیا گیا ہے ثقافت کے معاملے میں سب الجھ کے رہ گئے ہیں جو پہلے سے موجود رسوم و رواج ہیں ان کو لے کے چلا جائے یا اسلامی جمہوریہ ملک ہونے کی صورت میں ثقافت کے ان عناصر کو ختم کر دیا جائے جو پہلے پورے ہندوستان کی ثقافت کے عناصر تھے۔ کبھی لگتا ہے ثقافتی پسماندگی ورثے میں ملی ہے۔ عرب ثقافت کے خلاف نہیں ہیں وہ لبرل اور موسیقی کے دلدادہ ہیں۔ لیکن پاکستان میں موسیقی، مجسمہ سازی وغیرہ حرام ہے۔ ہم ترقی کی ہر صورت کو مشکل سے تب قبول کرتے ہیں جب ضرورت بن جاتی ہے۔ لیکن یہاں بوسیدہ خیالات۔ ماضی اور مذہبی تعصب سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتے۔ یہی بدقسمتی ہے نہ ترقی کر سکتے ہیں نا ترقی ہوتی دیکھ سکتے ہیں۔

ہمارا ملک چونکہ ترقی پذیر ممالک میں شامل ہے تو یہاں پر ثقافتی پسماندگی بہت ہے۔ اس کی بھی کچھ وجوہات ہیں۔ اگر بات کی جائے مذہب کی کہ مسلمانوں کی ثقافتی پسماندگی میں سب سے پہلا سبب یہی ہے۔ ہمارے مذہب میں فنون لطیفہ کی جگہ بہت محدود ہے۔ ماضی کے حکمرانوں نے اپنا سارے پیسے کا بے دریغ خرچ محلات، باغات اور مزاروں پر کیا یا پھر فن خطاطی پر۔

موسیقی میں فوک زندہ رہا۔ یہ زمین اور قوم سے جڑا رہا۔ یا پھر دف بجاتی لڑکیوں تک موسیقی کو محدود کر دیا گیا۔ فنون لطیفہ کو بت پرستی اور شرک کے کچھ اور نام دینے کی زحمت نہیں کی گئی۔ اس کا ثبوت اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ یہاں کے فنکاروں پر ترس آتا ہے ان کی جمالیاتی حس کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ اس ثقافتی بانجھ پن اور بدذوقی کو ختم کرنے کے لئے فنون لطیفہ کو مذہب سے الگ کر کے دیکھنا ہو گا۔

دوسرا سبب معاشی پسماندگی ہے۔ پاکستان ترقی یافتہ ممالک میں سے نہیں ہے اگر ہوتا تو معاشی پسماندگی کی وجہ سے ثقافتی ترقی نہ رکتی۔ معاشی ترقی ہو گی دال روٹی کے لالے نہیں ہوں گے تو زندگی کی خوشیوں سے راحت محسوس کر سکیں گے۔ غربت کے لیے حسن و عشق کیا معنی رکھیں۔ ملک کے وسائل کو وسیع کیا جائے ایلیٹ تک محدود نہ رہے۔ جاگیردارانہ نظام ختم کیا جائے عوام کی بہبود کے لئے کام کیا جائے تو ثقافتی پسماندگی کو ختم کیا جا سکتا ہے

ایک سبب ماضی سے لگاؤ ہے وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی جو ماضی کو سینے سے لگاتی پھرے۔ ماضی کو سپنوں میں زندہ رکھیں گے ترقی کیسے ہو گی۔ ہر مسئلے کا حل ماضی میں دیکھتے ہیں۔ ماضی کے حکمرانوں کا گیت گاتے ہیں پرانے رسوم و رواج اور اقدار کو ترجیح دیتے ہیں اسی ماضی پرستی کی وجہ سے نہ تو سائنسی ایجادات ہوتی ہیں نہ کسی ترقی کو ایسی قوم تسلیم کرتی۔ ایسی قوموں پر زوال اپنا ڈیرہ جمائے رکھتا ہے۔ اس سے باہر نکلا جائے تو ثقافتی ترقی بحال ہو گی۔

پسماندہ قوموں کا ایک ایک مسئلہ یہ بھی ہے وہ نئی تہذیب و ثقافت میں سے کیڑے نکالنے لگ جاتی ہیں اور بس برائیوں کو دیکھتی ہیں۔ فرسودہ اقدار کے ساتھ لپٹے رہتے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں نئی اقدار کو اپنا کر ہی ترقی کی جا سکتی ہے۔ اس کا مطلب مغرب کی اندھی تقلید ہرگز نہیں ہے۔ خود سے ان کا تجزیہ کر کے منفی اثرات سے بچ کر مثبت اثرات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ نئی اقدار سے فرار کا راستہ اختیار کرنا بے وقوفی ہے۔ ان کو اپنا کر ترقی کی جا سکے گی۔ اس سماج میں مردوں کا غلبہ ہے۔ یہ ثقافتی پسماندگی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے پاکستان میں پدرسری نظام کی جڑیں ابھی بھی موجود ہیں۔ عورت کو کم تر سمجھا جاتا ہے یا ذاتی ملکیت۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتی۔ عورت تو حسن کی علامت ہے۔ ایسے معاشرے میں لوگ کیا جانیں جمالیات کیا ہے۔ ان کو پہچان ہی نہیں۔ اس سے معاشرے کی ذہنی اور روحانی ترقی رک جاتی ہے۔ جمالیاتی حس مر جاتی ہے۔ اگر کوئی عورت باہر نکلتی ہے وہ عدم تحفظ کا شکار ہوتی ہے۔ ایسا معاشرہ کیسے ثقافتی ترقی کر سکتا ہے۔

# کیا گوری رنگت پر بحث جائز ہے

تحریر: راضیہ سید

گوری رنگت اور انگریزی، یہ ہمارے معاشرے کے دو پسندیدہ خصائص مانے جاتے ہیں، بندہ گورا بھی ہو اور پھر فر فر انگریزی بھی بولے واہ واہ تو کرنا بنتا ہی ہے۔

یہ ہمارے معاشرے کی اجتماعی سوچ ضرور ہے تاہم یہ سچ ہرگز نہیں۔ بے شک اکثریت انہی دونوں خصوصیات کی بنا پر انسانوں کو پرکھتی ہے لیکن اس کو ایک سائیڈ پر رکھ کر اگر دیکھا جائے تو اکثریت کی غلط بات کو محض اس لئے ماننا ضروری نہیں ہوتا کہ بہت سے لوگ ایسا کہہ رہے یا کر رہے ہیں۔

کسی بھی سچ کو پرکھنے کی واضح دلیل یہی ہے کہ اگر اقلیت بھی درست بات کرے اور اسکی بات میں وزن اور منطق ہو تو اسے بلا چوں و چرا ان مان لیا جائے۔ لیکن یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ آٹے کی پرات میں چہرہ لت پت کر کے آمنہ الیاس کی طرح منہ سفید کر کے ہی گوری رنگت والی کریموں اور اس سے متعلق اشتہارات کرنے والوں پر طنز کیا جائے؟ دراصل ہمارا مسئلہ کسی کو بھی شخصی آزادی نہ دینا ہے، اب اگر کوئی ماڈل یا اشتہار بنانے والی کمپیناں اپنے رزق و روزی کے لئے ایسے تشہیری پروگرام چلاتی ہیں تو آپ کے پاس صاف اور سیدھی چوائس یہی ہے کہ فوری طور پر چینل تبدیل کر لیں، نہ ہی ایسے اشتہار دیکھیں اور نہ ہی انھیں پروموٹ کرنے کا باعث بنیں اور نہ ہی ایسے اشتہاروں میں کام کریں۔ بلکہ آپ جیسے بھی ہیں خود پر نہ تو ترس کھائیں اور نہ ہی کبھی احساس برتری کا شکار ہوں، ہمیشہ اللہ تعالی کے شکر گذار ہوں کہ اس نے آپ کو بہترین انداز میں پیدا کیا۔

بہت سے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ ان کی واجبی سی شکل و صورت ہے لیکن لوگ ان کے دیوانے ہیں جس کی بنیادی وجہ ان کا اچھا اخلاق اور ان کے پیشے میں ان کی مہارت کا ہونا ہے۔ اس لئے کہ شکل و صورت کی اہمیت ایک حد تک ہے۔ اگر کوئی بہت خوبصورت انسان ہو لیکن بات کرتے ہوئے کسی تہذیب کا خیال نہ رکھے تو اسکی خوبصورتی بجائے خوش کرنے کے تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے اور انسان اس کوفت سے فورا نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ایک تو انسان کسی حال میں خوش نہیں، کسی کو کالا ہونے کا قلق ہے تو کوئی گورا ہو کر پریشان ہے۔ کوئی موٹا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ بھئی آپ کون سی چکی کا آٹا کھاتے ہیں جو اتنے صحت مند ہیں اور کوئی پتلا ہو تو یہ سنتا ہے کہ لگتا ہے کہ کچھ کھانے کو نہیں ملتا یار تم تو بالکل تنکے ہو۔ گوری لڑکیاں تو یہاں تک شکایت کرتے ہوئے ملتی ہیں کہ جو بھی کوئی رشتہ دیکھنے آتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ یہ لڑکی تو پھیکے شلجم جیسی ہے، اسلئے ہمیں رشتہ منظور نہیں۔

اس لئے اپنی رنگت کو لے کر نہ تو پریشان ہوں نہ ہی کسی کی کامیابی سے خائف ہو کر الٹی سیدھی ویڈیو بنائیں۔ ایسی ویڈیو وائرل بھی ہو جائے گی اور اس پر لائکس بھی آ جائیں گے لیکن لوگوں کے ذہن میں آپ کی ایک غلط شبیہ بن جائے گی جو اتنی آسانی سے نہیں مٹے گی۔ یاد رکھیں کہ اکثر لوگوں کو تنقید کرنے کی عادت ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی کامیابی آپ کی ناکامیوں میں ڈھونڈتے ہیں۔ اچھا ماڈل یا کوئی بھی اچھی شخصیت بننے کے لئے یہ کہیں نہیں لکھا کہ آپ اپنی تعریف کرنے کے لئے دوسروں کی بدتعریفی کریں۔ کیونکہ ایسا طرز عمل یہی ظاہر کرتا ہے کہ آپ میں کوئی صلاحیت نہیں اور آپ اپنے مقابل ہم پیشہ افراد سے خائف ہیں۔

❁❁❁

## ادارتی پالیسی

آبگینے خواتین ڈائجسٹ کی ادارتی پالیسی واضح ہے مذہبی اور غیر مذہبی نقطۂ نظر پر اور اظہار آزادی پر کوئی پابندی نہیں۔ یہ سیاسی، مذہبی، لسانی، علاقائی، تعصب اور عصبیت سے پاک ہے۔ اس کا کسی طبقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تمام مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کو خوش دلی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ آیئے اپنا موقف بلا خوف و خطر بیان کیجیے۔ لیکن دوسروں کے جذبات کا احترام آپ کا اور ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ اپنا مضمون یا منظوم کلام ہمیں بھیجنے سے قبل اس کو اچھی طرح سے پڑھ لیں تاکہ کمپوزنگ (ٹائپ) کی غلطیاں آپ خود نکال سکیں۔ تحریر میں غلطیاں کم ہونے کی صورت میں جلد قابل اشاعت ہو گی۔ یاد رہے متن میں تبدیلی کرنا ایڈیٹر کا اختیار ہوتا ہے۔ ضروری امر یہ ہے کہ مضمون یا کلام وہی قابل اشاعت ہو گا جو پہلے کسی اخبار یا انٹرنیٹ سوشل میڈیا پر شائع نہ ہوا ہو۔ علاوہ ازیں آپ کی تحریر ایک ہزار الفاظ سے زیادہ نہ ہو بعض صورتوں میں استثناء دیا جا سکتا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ

مدثرہ عباسی
مدیرہ

# افغان خواتین کو اسلحہ اٹھانے کی نوبت کیوں آئی

تحریر: شاد بیگم

ہر گزرتے دن کے ساتھ افغانستان کی خواتین اپنے مستقبل کے حوالے سے پر امید دکھائی نہیں دیتیں۔ وہ فکر مند ہیں کہ کیا وہ افغانستان میں ایک محفوظ اور پر امن زندگی گزار سکیں گی؟ ایک ایسی جگہ جہاں وہ صحت، تعلیم اور روزگار کے حق سے محروم نہ ہوں اور دوسرے شہریوں کی طرح خوشحال زندگی جی سکیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ پچھلی چند دہائیوں میں ان گنت مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود افغانستان کی خواتین نے کئی شعبوں میں اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا۔ تاہم اب بار بار یہی سوال اٹھتا ہے کہ کیا مستقبل میں وہ اپنی زندگی اور کام کو اسی نہج پر جاری رکھ سکیں گی یا ہمیشہ کی طرح مستقبل کے افغانستان میں بھی خواتین کی رائے اور ان کے حقوق کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔

امریکہ اور طالبان کے درمیان جاری مذاکرات سے تو افغان خواتین کو بہت مایوسی ہوئی ہے کیونکہ ان کے حقوق کے حوالے سے امریکہ کی طرف سے بھی سرد مہری برتی گئی بلکہ یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ امریکہ نے افغانستان کی خواتین کو مکمل نظر انداز کیا۔

یہ بات سب خوب جانتے ہیں کہ اگر امریکہ مذاکرات کے دوران خواتین کے ایجنڈے کو اہمیت دیتا تو شاید یہ معاملہ اس قدر مایوس کن نہ ہوتا۔ امریکہ کی طرح اکثریتی ممالک کی سول سوسائٹی نے افغان خواتین کی امن مذاکرات اور ترقی کے عمل میں شرکت کے لیے مختلف سطحوں پر آواز اٹھائی لیکن حکومتی سطح پر خواتین کی رائے اور ان کی شرکت کے موضوع کو اب تک کوئی خاص اہمیت نہیں دی جا رہی بلکہ ایک طرح سے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

ایسے میں یہ خواتین کس سے امید لگائیں؟... افغان خواتین نے ہر فورم پر اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش کی لیکن آج تک نہ ہی ان کو سنجیدگی سے سنا گیا اور نہ ہی ان کی رائے کو کوئی اہمیت دی گئی۔ اسی لیے شاید بعض افغان خواتین نے بھی اب اسلحے کا سہارا لے لیا ہے۔ حالیہ دنوں میں سوشل میڈیا پر ایسی کئی تصاویر گردش کر رہی ہیں جہاں افغانستان کے مرکزی اور شمالی علاقوں میں بعض خواتین بندوقیں لیے کثیر تعداد میں سڑکوں پر جلوس نکال رہی ہیں اور طالبان کے خلاف نعرہ بازی کر رہی ہیں۔

افغان صوبے غور میں مسلح خواتین نے بار بار کہا کہ وہ بندوق نہیں اٹھانا چاہتی تھیں لیکن ان کے پاس یہی ایک راستہ رہ گیا تھا۔ امن کی اہمیت خواتین سے زیادہ بہتر کون جانتا ہے۔ ان میں اکثر خواتین وہ ہیں جنہوں نے اپنے پیارے کھوئے ہیں یا کسی نہ کسی طرح سے ظلم و زیادتی کا شکار ہوئی ہیں اور شدید غم وغصے میں مبتلا ہیں۔... طالبان جس تیزی سے ملک بھر میں اپنا دائرہ کار اور کنٹرول بظاہر بڑھا رہے ہیں اس نے اکثر افغانوں کو خوف میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس وقت بین الاقوامی میڈیا اور مختلف سماجی رابطوں کے آن لائن فورمز پر خواتین کے اسلحہ اٹھانے کے موضوع پر بات ہو رہی ہے۔ کچھ لوگ اس کو بہادری اور جرات سے تشبیہ دے رہیں ہیں اور ایک طرح اس بات کی حوصلہ افزائی کر رہیں ہیں کہ بالآخر خواتین نے اسلحہ اٹھا ہی لیا اور شاید اب ان کو اپنے حقوق مل جائیں گے۔

وہیں پر بہت سارے افغان اور بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کے اکثر ورکرز نے اس اقدام کو خواتین کے لیے نقصان دہ قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خواتین میں ملٹرائزیشن کی سوچ کو فروغ دینا یا اس کی حوصلہ افزائی کر نا ان کی زندگیوں کو مزید خطرات سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ اکثریت کو خدشہ ہے کہ مخالفین کو خواتین کو نشانہ بنانے اور ان کے حقوق غصب کرنے کا بہانہ مل جائے گا۔... دو دہائیوں پر محیط جنگ نے افغانستان میں آج تک جس طرح سے ملٹرائزیشن کو فروغ دیا ہے اس کے تباہ کن اثرات اس وقت پوری دنیا کے سامنے ہیں۔ اب خواتین میں اس متشدد سوچ کا فروغ یقیناً ایک اور تباہی کا عندیہ دے رہا ہے۔

پدر شاہی کے معاشرے کے اکثر مردوں کے لیے یہ بات باعث شرم ہوگی کہ اس کی موت کسی خاتون کے ہاتھ ہو۔ لہٰذا خواتین کا مسلح ہونا بہت لوگوں کو گوارا نہیں ہوگا۔ لیکن کیا خواتین کے اس فیصلے کے بعد ان کو کوئی زیادہ اہمیت دی جائے گی یا بدلے میں مزید متشدد رویہ اپنایا جائے گا؟... افغانستان میں خواتین کے اسلحہ اٹھانے اور طالبان سے لڑنے کے واقعات تاریخ کا حصہ ہیں۔ چند گنے چنے ناموں میں قمر گل، بی بی عائشہ حبیبی اور سیلمہ مزاری شامل ہیں۔ یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ طالبان جہاں جہاں اپنا کنٹرول سنبھال رہے ہیں وہاں پر خواتین کی تعلیم اور نقل و حرکت پر پابندی لگائی جا رہی ہے۔ یہی اقدامات خواتین کو خوف میں مبتلا کر رہے ہیں۔ ایک حالیہ سروے کے مطابق افغانستان کے دیہی علاقوں کی خواتین بھی تعلیم اور روزگار کا نہ صرف دیرینہ شوق رکھتی ہیں بلکہ ان کے بغیر ترقی کے عمل میں اپنی شرکت کے حوالے سے تشویش رکھتی ہیں۔ اسی لیے وہ مختلف فورمز پر اپنے خدشات کا اظہار کرتی آرہی ہیں کہ اگر ان کو طالبان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نہ ہی ان کو تعلیم کی اجازت ہوگی، نہ روزگار کی اور نہ سماجی و سیاسی ترقی کے عمل میں شرکت کی۔ مقامی مردوں کی اکثریت نے اس کی حمایت کی، کیونکہ پدر شاہی رویے کی جڑیں آج بھی ہمارے ہاں بہت گہری ہیں۔ لہٰذا جب بات خواتین کے حقوق کو غصب کرنے کی ہوتی ہے تو مقامی سطح پر لوگ کوئی خاطر خواہ ردعمل نہیں دکھاتے بلکہ قیام امن کے بہانے خواتین کے حقوق کو خاموشی سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کے پیچھے ساری سوچ یہی کار فرما ہوتی ہے کہ کوئی بات نہیں کسی نے تو امن کی خاطر قربانی دینی تھی۔... کیا افغان حکومت سے یہ امید لگائی جا سکتی ہے کہ وہ آنے والے وقتوں میں طالبان کے ساتھ اپنے معاہدوں اور مذاکرات میں خواتین کے امور پر موثر طریقے سے بات کر سکیں گے اور یہ ممکن بنا سکیں گے کہ خواتین کو نہ صرف مکمل تحفظ حاصل ہو بلکہ ان کی تعلیم، روزگار اور نقل و حرکت پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہ ہو۔ کیا یہ ممکن ہے یا افغان خواتین کا مستقبل واقعی تاریک ہے؟ امید ہے کہ افغان خواتین کی شنوائی ہوگی اور انہیں اسلحہ اٹھانے پر مجبور نہیں ہونا پڑے گا؟

❀❀❀

# دیا

تحریر: اچھی آپا

ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ چاند کی چودھویں کو مزار پہ دیا جلانے آئی تھی جانے کتنے برسوں سے اسکا یہی طریق تھا، حالانکہ جسکے نام جسکی زندگی کے لیے وہ یہ دیا جلا رہی تھی اس نے پلٹ کر خبر تک نہ لی تھی جانے کس نگر کس دیس کس کی چوکھٹ کی غلامی اسے راس آ گئی تھی کہ اسے دل کے رشتوں کی پرواہ تو کیا خبر تک نہ تھی

کیسی دنیا تھی رنگین دنیا دل لبھانے والی بے خبر بے حس کر دینے والی دنیا

پھر بھی وہ کیوں ایسا کرتی تھی؟

یوں جیسے بچپن ساتھ کھیلتے پڑھتے ایک ہی آنگن میں کبھی لڑتے جھگڑتے وہ بچپن کی حدود پھلانگ آئے تھے

عدیل اسکے چچا کا بڑا بیٹا اور وہ اپنے گھر میں دوسرے نمبر پہ تھی اسکے ایک بڑا اور ایک چھوٹا بھائی تھا۔ لڑکپن میں داخل ہوتے ہی چچا کی زبان پہ اسکا نام بار ہا آتے سنا گیا وہ اس سے بچپن سے بہت پیار کرتے تھے دو گھروں میں ایک ہی لاڈلی پر بے حد متحمل اور سگھڑ اور سمجھدار تھی۔ وہ گڑیا جیسی تھی سب کی آنکھ کا تارا۔

عدیل کو انٹر کے بعد حیدر آباد بی ایس میں ایڈمیشن مل گیا اور اسے مقامی کالج میں ہی ڈگری کلاسز میں داخلہ ملا تھا۔ جس دن عدیل کی روانگی تھی دونوں گھروں میں ایسے زور شور سے تیاری ہو رہی تھی جیسے کسی محاذ پہ سپاہی کو بھیجنے کی تیاری ہو

عدیل ایسے خوش تھا جیسے پتہ نہیں کس دیس جا رہا ہے

اس نے مڑ کے دیکھا بھی نہ تھا۔

سویرا کچھ حیران بھی تھی اسے اس سے اس بے حسی کی توقع نہ تھی پر وہ تو ایسے ظاہر کر رہا تھا جیسے اس سے کوئی رشتہ ہی نہ ہو

یہ ٹھیک ہے باقاعدہ منگنی نہ ہوئی تھی پر پھر بھی وہ اس کی چچا زاد تھی

اچھا کوئی بات نہیں ابھی پاس ہے نا جائے گا تو یاد کرے گا

سویرا جان ہی نہ سکی تھی اسے اور اسکی فطرت کو، شاید محبت اور پیار کے علاوہ تنقیدی نظر سے اسے دیکھا ہی نہ تھا یا پھر محبت اندھی والا محاورہ سچ ہے اس نے بے دلی سے اسے جاتے دیکھا تھا سب ہی اداس تھے دو تین دن سب

ہی اسے بہت مس کرتے رہے پھر مصروفیت اور عادت میں اسکی کمی شامل ہو گئی۔

چچی ناشتے کی ٹیبل پہ اسکی پسند کا آملیٹ اور شام میں کباب سامنے رکھ کر سوچتی تو چچا کہہ دیتے ''ہنس کر کھا لو''

بیگم اتنے روپے ہوسٹل فیس کے جمع کروا کر آیا ہوں فیس کے علاوہ آملیٹ مل جاتا ہے اسے اور شامی بھی۔

ایک ایکٹیویٹی جو سویرا نے شروع کر دی تھی کالج سے واپسی گاڑی سے اترتے ہی گلی میں داخل ہونے سے پہلے بابا کے مزار پہ پاکٹ منی سے پیسے رکھنا شروع ہو گئی تھی کسی کی سلامتی کے لیے۔

ایم اے کے پیپر دے کر فارغ تھی ابا اور امی اسکی شادی کی بات چچا چچی سے کرتے اکثر دیکھے جاتے کبھی میرج ہال کی بکنگ کبھی کھانے کے مینیو پہ لیکن اس نے محسوس کیا کہ خوشی اور جوش جو سب بچوں اور امی ابا کے چہرے پہ دکھتا وہ چچا چچی کے چہروں پہ نظر نہ آتا تھا۔

عدیل بھی پہلے راولپنڈی جاب کر رہا تھا اور صرف دو بار ہی چھ مہینے کے وقفے سے گھر آیا اور وہ بھی بے حد خاموش چوروں کی طرح بات کرتے بھی نظر چراتا۔

لیکن اب تو ابوظہبی اس کو کمپنی کی طرف سے بہت اچھی آفر مل رہی تھی سو اس کے جانے سے پہلے شادی ہو جائے یہ مدعا بھی سویرا کے والدین کی طرف سے اٹھایا گیا تھا چچا چچی نے کوئی بات خود سے نہیں کی تھی۔

وہ اس رویے کو محسوس کر رہی تھی لیکن چپ تھی کہ یہ بڑوں کا مسئلہ ہے

شادی کی ڈیٹ دیتے ہوئے چچا چچی نے ہچکچاہٹ ظاہر کی تو ابا کو غصہ آ گیا

''تم دونوں شادی کو ٹالنے کے چکر میں کیوں ہو یہ بتاؤ مجھے۔ تمہیں ذرا فکر نہیں۔ یہ ٹھیک ہے سویرا میری بیٹی ہے پر وہ ان دو گھروں کی اکلوتی روشنی ہے''

''نہیں بھائی صاحب بات دراصل یہ ہے کہ شام کو ہی عدیل کا اچانک فون آ گیا کہ کمپنی نے اچانک ویزہ کی تاریخ ایک مہینہ پہلے کر کے ٹکٹ بھی کل کی کروا دی ہے کسی بہت ارجنٹ پروجیکٹ کے تحت وہ کل صبح پنڈی سے ہی سیدھا ابوظہبی جا رہا ہے گھر ملنے بھی نہیں آ سکتا تو شادی تو دو سال تک کرنے کا فائدہ ہی نہیں ہے کیونکہ اسے چھٹی دو سال بعد ملے گی''

''ہوں،،، تو یہ کہو کہ صاحبزادے جو بچپن کے طے رشتے کی کوئی فکر ہی نہیں ابھی اسے فون لگاؤ کہ کوئی ضرورت نہیں ابوظہبی جانے کی ایسے مواقع ملتے رہتے ہیں ان کے لیے بچی کو انتظار کی سولی پہ لٹکا کر رکھنا کونسی عقلمندی ہے''؟

ابا نے اپنا فیصلہ صادر کیا

چچا چپ رہے چچی چچا کو اشارے سے سمجھانے کوشش کرتے ہوئے جھنجھلا کر خود ہی بول پڑیں ''میں نے بات کی تھی شام کو بھی آپ کے کہے بغیر ہی لیکن عدیل نہیں مانا اسکا کہنا تھا کہ یہ بہت بڑی اپرچونیٹی وہ ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتا''

کیا؟ ابا کی حالت دیکھنے والی تھی امی آگے بڑھیں اور جلدی سے انہیں پکڑ کر پاس پڑے

صوفے پہ بٹھادیا۔ رہنے دو سویرا کی ماں کچھ نہیں ہوتا مجھے، یہ بھائی دیکھو جو اپنے بیٹے کو گھر کی اکلوتی لاڈلی کے حق کے لیے شادی پہ اصرار سے منا ہی نہیں سکا، ٹھہرو، کہیں ایسا تو نہیں کہیں وہ اس رشتے سے بھاگ رہا ہے اور اب اسکی مرضی کہیں اور ہے۔

بولو دونوں بولتے کیوں نہیں؟ چچی نے ہی اس بار بھی چپ توڑی'' بھائی جان ہماری سویرا کو کونسا رشتوں کی کمی ہے اور باہر کیوں جانا سہیل ہے ناگر اسے رشتہ نہیں بھی پسند... فرض کریں تو ہمیں اپنی سویرا کے لیے رشتوں کی کونسا کمی ہے اکلوتی لاڈلی پڑھی لکھی سگھڑ بچی ہے ہماری'' ! ابا گرجے ''رہنے دو''

ان تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں میں ابھی زندہ ہوں ''خود کرلونگا اپنی بیٹی کا رشتہ بھی'' اور پہلی بار دو بھائیوں کے دل برے ہوئے گرہ پڑی اور ایسی پڑی کہ ابا نے رشتہ کرتے ہی شادی سے پہلے دو گھروں میں دیوار کھینچ لی۔ ایک فیملی ایک بچے کی خودسری کی وجہ سے دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ یہی کمزوری ہے بچپن میں کر دیے گئے رشتوں کی بنیاد میں، بڑے ہو کر کبھی لڑکیاں کبھی لڑکے منہ پھیر لیتے ہیں رائے بدل لیتے ہیں کہیں لڑکیاں تو کہیں لڑکے بچپن کے دیکھے خوابوں کی کرچیوں کو سمیٹتے سمیٹتے اپنا آپ زخمی کرتے رہتے ہیں۔

سویرا تو اپنے گھر کی ہوگئی اس نے کوئی چوں چرا کی نہ دکھ کو ظاہر ہونے دیا

ہاں البتہ اپنے سسرال سے آتے یا میکے سے واپس جاتے اب مزار پہ دیا جلانے لگی تھی اسکا خاوند راغب اسے وہم پرست کہ کر ہنس دیتا کبھی کہتا ''اچھی بات ہے ہندو عورتیں خاوند کے لیے مون ورد رکھتی ہیں تم میرے لیے دیا جلایا کرو''

دو سے تین، تین سے چار پانچ سال گذر گئے۔ سہیل کے بعد جلد ہی اسکے دونوں بھائیوں کی بھی شادیاں ہوئیں ابا اور چچا نے ناراضگی ختم کر کے دیوار پھر سے گرا دی یوں ان کا بڑا گھر پھر سے پر رونق ہوگیا تھا بلکہ اب بہت شور شرابے والا گھر بن گیا تھا

چچی عدیل کے لیے اداس ہوتیں پر چپ سادھے رہتیں گھر میں اسکی کوئی بات ہی نہ کرتا، سوائے اسکے پیسے بھیجے ہیں عدیل نے یا پیسے لیٹ ہیں نہیں آئے اس کا بھی شاید دل صاف نہ ہوتا پر اسکے دو ننھے بچوں نے اپنی رونق دے کر بہت ہلکا کر دیا تھا۔

سب خواب کی طرح لگنے لگا تھا سوائے اس دیئے کے جسے جلانے وہ اکثر جمعہ کو ہی میکے ملنے آتی۔ راغب کو ضروری بزنس میٹنگ سے پنڈی جانا پڑ گیا وہ اسے ڈرائیور کے ساتھ جانے کا کہہ کر چلا گیا۔ چھ سالوں میں وہ پہلی بار ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی اترتے ہی بچوں کو گاڑی میں بٹھا کر وہ جلدی سے دیا جلانے مزار کے اندر چلی گئی دیا جلانے کے بعد دعا کی۔ مڑتے ہوئے جس انسان کے ہاتھوں میں پکڑے دیئے سے وہ ٹکراتے بچی وہ عدیل تھا کتنا پریشان حال اور صحت ایسی کہ بوڑھا دکھ رہا تھا۔ وہ اسے ہونقوں کی طرح دیکھتی رہ گئی اسکی نظروں میں پرانا عدیل گھوم گیا ہر نئے فیشن کی جینز مہنگے پرفیوم اور یہ کس حال میں! ...اسے یوں سوچوں میں کھوئے دیکھ کر خود ہی بول پڑا ''مجھے معاف کر دو شاید تمہاری بد دعا لگ گئی ہے مجھے''... ''لیکن میں نے تو تمہیں کبھی بد دعا نہیں دی؟

لیکن میں تو تمہیں دکھ دیا ہے اور تایا تائی جان کو بھی''، '' اوہ تو تمہیں احساس بھی ہوتا ہے؟'' ''ہوتا ہے ہاں کیوں نہیں؟ اب تو تقدیر نے بہت پیدا کر دیا ہے احساس اور دکھ بھی''! وہ چپ ہوگیا... کیا ہوا عدیل؟ اسے فکر سی ہوئی... ''ناظمہ سے میں نے یونیورسٹی دوران تعلیم ہی بنا بتائے نکاح کرلیا تھا اور امی ابا کو بھی پتہ لگ گیا تو انہوں نے بہت ڈانٹا وہ تمہیں بہت چاہتے تھے پھر وہ اس لیے چپ ہو گئے کہ وہ مجھے تمہارے قابل ہی نہیں سمجھتے تھے۔... لیکن تایا جان کو کچھ بتا نہیں سکے اور بہانے سے تمہاری شادی کرنے پہ مجبور کر دیا وہ مجھے نہیں ملتے اور آج بھی جب ناظمہ کینسر سے. جنگ لڑ رہی ہے ان سے معافی مانگنے آیا تھا لیکن انہوں نے دھکے دے کر نکال دیا ہے جاتے جاتے سوچا ناظمہ کے لیے دیا ہی جلا دوں کیا پتہ خدا میری سن لے''

وہ رونے لگا اسکا دیا ٹمٹما رہا تھا اور اچانک بجھ گیا سویرا نے جلدی سے مزار پہ رکھے اپنے دیئے کی لو سے اسے دوبارہ روشن کر دیا عدیل کی آنکھیں دو دو روشنیوں سے آنسوؤں سمیت چمکنے لگیں۔... وہ آنکھیں جو کچھ دیر پہلے اجڑے دیار سی ویران تھیں ان میں اچانک محبت شکر گذاری امڈ آئی تھی۔ سویرا مڑی اور اسے آنے کا کہا چلتے ہوئے اسے اپنے چچا چچی کی محبت پہ مان ہو رہا تھا پر اسے ابھی ناظمہ کے دیئے کی طرح چچا چچی اور امی ابا کے دل سے نفرت کی آگ بجھا کر پیار کے اور دیے جلانے بلکہ جگانے تھے جو عدیل کی تھوڑی سی خودغرضی اور بے حسی کے باعث بجھے نہیں بلکہ نفرت کی آگ میں بدل چکے تھے۔

❀❀❀

## غزل

بشارت سکھی جرمنی

میں دھڑکنوں کو جو اپنی زباں بناتی ہوں
تو خامشی سے نیا اک جہاں بناتی ہوں

کہ اختران فلک دیکھ کر ہوئے حیراں
گگن پہ پیار کی اک کہکشاں بناتی ہوں

وہ لوٹ آئے گا اب کے بہار آئی تو
میں حسرتوں کا کوئی گلستاں بناتی ہوں

سہانے خواب جو راتوں کو آنکھیں دیکھتی ہیں
میں صبح آنکھوں میں ان کو دھواں بناتی ہوں

وہ صرف میرا ہمیشہ رہے گا میرا ہی
میں اس یقین کو خود ہی گماں بناتی ہوں

یہ سادہ لوحی مری مجھ کو ہی نہ لے ڈوبے
میں تیری یادوں کو کیوں رازداں بناتی ہوں

ملے جہاں سے محبت کا پیار کا سودا
چلو میں دل کو ہی ایسی دکاں بناتی ہوں

میں جیت لوں گی ترا دل بھی نرم لہجے سے
میں دشمنوں کو یونہی مہرباں بناتی ہوں

چلا تو آئے مگر پھر نہ جا سکے وہ سکھی
میں روز خواب میں ایسا مکاں بناتی ہوں

❀❀❀

# دوست اور دوستی

تحریر: امۃ الرشید میرپور آزاد کشمیر

اس معاشرے میں رہتے ہوئے ہمارا بہت سے لوگوں کے ساتھ میل جول رہتا ہے۔اپنے عزیز رشتے داروں کے علاوہ اور بہت سے لوگ ہمارے قریب ہوتے ہیں۔ان کے ساتھ ہماری جان پہچان ہوتی ہے۔اگر ہم طالب علم ہیں تو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اپنی ہم جماعتوں کے ساتھ ہمارا اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے۔اگر ملازمت کر رہے ہیں تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہر روز واسطہ پڑتا ہے۔ان کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے پڑتے ہیں۔گھر کے آس پاس رہنے والے ہمسایوں سے ہمارا رابطہ رہتا ہے۔اور ہمیں معاشرے میں رہنے کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے۔

دوسروں کے ساتھ خوشگوار تعلقات اور روابط رکھنا اچھی بات ہے۔ان کے دکھ سکھ میں شامل ہونا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔اور ہمارا مذہب بھی ہمیں خوش اخلاقی سے پیش آنا سکھاتا ہے۔جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

"تم میں سے بہترین وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے"

اس لیے بحیثیت مسلمان ہمیں اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگر ہم جائزہ لیں تو موجودہ دور میں ان اقدار کا فقدان نظر آتا ہے۔لوگ مادی دنیا کے پیچھے بھاگتے بھاگتے ان اقدار کو فراموش کرتے جا رہے ہیں۔ہر چیز میں نمود و نمائش کا پہلو نمایاں ہوتا جا رہا ہے۔لوگوں سے رابطے اور تعلقات بھی اپنے مفادات کے لیے رکھے جاتے ہیں۔اگرچہ سب ایک جیسے نہیں ہوتے مگر اکثریت ہمیں ایسی ہی ملے گی۔

بعض اوقات آپ اپنے قریب رہنے والوں کے بارے میں بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ان کے رویے بظاہر کچھ ہوتے ہیں اور اندر سے کچھ اور معاملات چل رہے ہوتے ہیں۔

ایک خاتون سے میری اکثر ملاقات رہتی تھی۔ہمارے اچھے تعلقات بھی تھے۔گھروں میں آنا جانا بھی رہتا تھا۔لیکن کبھی بھی میں ان کو دوست نہیں کہہ سکی کیونکہ دوست کہنا اور بنانا بہت آسان ہے لیکن دوستی نبھانا بہت مشکل ہے۔میرے نزدیک ہمارا دوست وہ ہے جس کی عادات اور خیالات ہم سے ملتے ہوں جو ہمارے دکھ اور سکھ کو اپنا دکھ سمجھے۔ہماری تکلیف میں ہمارے ساتھ کھڑا ہو۔ہمارے لیے اپنا وقت قربان کرنے کے لیے تیار ہو۔اگر آپ کے دوست میں یہ سب خوبیاں پائی جاتی ہوں تو آپ اسے اپنا دوست کہنے کے حقدار ہیں۔

ہمارے لیے دوست اور دوستی کی بہترین مثال حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی ہے۔جنہوں نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حفاظت کی خاطر اپنی جان کی پرواہ نہیں کی۔آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ اس وقت بھی نہیں چھوڑا جب دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرتے ہوئے غار ثور تک آ پہنچا تھا۔

اس لیے اگر ہم نے کسی سے دوستی کرنی ہے تو خود بھی ایسے ہی دوست بنیں اور دوستی کرنے کے لیے ایسے ہی انسان کا انتخاب کریں جو ان خوبیوں کا مالک ہو۔ورنہ دوستی صرف نام کی ہو گی۔اصل دوستی کی روح سے خالی ہو گی۔

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا
(احمد فراز)

❁❁❁

# پاکستان میں سویڈش خاتون سفیر نے رکشہ لائسنس حاصل کر لیا

سویڈن کی وزارت خارجہ کی جانب سے اپنے فیس بک اکاؤنٹ پر کی گئی ایک پوسٹ کے مطابق انگرِیڈ جوہانس سن جو کہ پاکستان میں موجود سویڈش ایمبیسی میں سفیر ہیں، انہوں نے فیمینسٹ خارجہ پالیسی کے فروغ کے لیے یہ لائسنس حاصل کیا ہے۔

ان کی جانب سے حال ہی میں پاکستان میں رکشہ چلانے کا لائسنس لیا گیا ہے جو کہ پاکستان میں خواتین کے حوالے سے ایک خلاف معمول بات ہے۔انہیں اس لائسنس کے لیے ٹیسٹ دینے میں دو سال کا عرصہ لگا۔پاکستان میں لائسنس جاری کرنے کے مجاز پولیس حکام کو انگرِیڈ جوہانس سن کی جانب سے کی جانے والی ان کوششوں سے پریشانی لاحق رہی اور ان کی جانب مختلف طریقوں سے انہیں ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کی گئی لیکن انگرِیڈ جوہانس سن نے ہار نہیں مانی۔لاہور میں دیے جانے والے ٹیسٹ کے دوران جب انگرِیڈ جوہانس سن نے سڑک پر موجود رکاوٹوں کو مہارت سے پار کیا تو ایک پولیس کے سربراہ نے حیرت زدہ لیکن پر مسرت انداز میں کہا' میڈم آپ ڈرائیو کرنا جانتی ہیں!

پاکستان میں موجود سویڈن کا سفارت خانہ خواتین میں گاڑی اور موٹر بائیک کی ڈرائیونگ سیکھنے کے رجحان کو فروغ دینے والی فاؤنڈیشن ومین آن ویلز کے ساتھ کام کر رہا ہے۔اس کا مقصد خواتین کو اپنی گاڑی خریدنے کے قابل بنانا ہے۔ومین آن ویلز کی جانب سے مختلف سرگرمیوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔انگرِیڈ جوہانس سن بھی ان سرگرمیوں میں اپنی بائیک پر شامل ہوتی ہیں۔

❁❁❁

# ٹوٹی سڑک

تحریر: بامی

اس دفعہ دسمبر کے چھٹیوں میں بچوں کو گاؤں زمینوں پر ضرور لے جائیں گے...

میاں صاحب نے تجویز دیتے ہوئے کہا...

آخر انکو گاؤں کی زندگی کے تجربے میں سے گزارنا چاہئے اور انکی معلومات میں اضافہ کرانا چاہئے کہ سادہ زندگی کتنی خوبصورت مگر محنت سے بھرپور ہے...

گرمیوں کی چھٹیوں میں تو گرمی کی شدت میں کبھی سوچا بھی نہیں جا سکتا۔سو یہی پروگرام بنا اور دسمبر کی سرد سرد رات ہم نے ٹرین کے ایسے ڈبے میں سفر کرتے گزاری جو سرخ قالین اور ہیٹر کی سہولت سے آراستہ تھا۔

بچوں کا اشتیاق اپنی جگہ لیکن میں بھی بہت بے چینی سے گاؤں جانے کے لئے بے تاب تھی... کیونکہ مجھے دیہات میں جانا رہنا بہت اچھا لگتا ہے اور اپنی سسرالی گوٹھ تو شادی کے بعد پہلی دفعہ جا رہی تھی...

بار بار پوچھتی کتنا دور ہے لاکھاروڈا ابھی توحیدر آباد آیا ہے،۔میں نے جھٹ گاؤں کی عورتوں بچوں کے لیے چوڑیاں اور شالیں تحفتاً خرید لیں۔ساتھ گرم گرم چائے اور انڈے ابلے ہوئے بہت گرمائش کا سبب بنے... رات کا سفر اور دسمبر کا مہینہ تھا۔

نورآباد ( گوٹھ مولوی عبدالسلام ) گاوں جانے کے لئے لاکھاروڈا اسٹیشن پر اترنا تھا اور وہی ایک واحد ٹرین غالباً چناب تھی جو وہاں رک جاتی تھی۔

میاں صاحب نے پٹھیدن گزرنے کے بعد الرٹ کر دیا کہ سویا نہ جائے منزل قریب ہے خیر علی الصبح چھ بجے ہم لاکھاروڈا اترے۔

منشی جی اور چند دوسرے مزارعوں نے بڑھ کر استقبال کیا اب اگلا مرحلہ گاؤں تک رسائی ایک ٹوٹی سڑک کے مرہون منت تھی... گاڑی میں سامان۔تینوں بچے اور ہم سوار ہوئے اور گاؤں کی جانب رواں دواں ہوئے۔...سڑک کیا تھی؟...اچھی بھلی ورزش کا سامان۔ہڈی پسلی ایک ہونے کو تھی جوڑ پسلیاں تک ہل کر رہ گئیں۔...راستے میں ایک آدھ ٹریکٹر اور چند ریڑھے نظر آئے جن کی ٹائروں کے نقش ونگار گیلی بارش زدہ مٹی، گارے، سنگریزوں کی آمیزش پر نظریں جمائے میں کسی گہری سوچ میں کھو گئی۔بڑے بزرگ زندگی کی گاڑی کے دو پہیے میاں اور بیوی کو کہتے تھے بظاہر اگر پہیے متوازن نہ بھی ہوں جو کبھی نہیں بھی ہوتے کبھی عادات میں تفاوت تو کبھی سوچ میں کبھی عمر میں تو کبھی تربیت، خاندان علاقہ، ملک، زات، سوچ۔تو پھر اس صورت حال میں وقت اور ماحول ہی سڑک کا رول ادا کرتے ہوئے راستہ ہموار بناتے ہیں ...جینے کی راہ نکالتے ہیں۔اور زندگی کی گاڑی کو چلنے میں مدد دیتے ہیں یہ سڑک اگر ٹوٹی پھوٹی ہو، گڑھے ہوں، پتھر، یا ریتیلے صحرا ہوں تو گاڑی کے پہیے جتنے بھی ہموار ہوں جب سڑک ٹوٹ پھوٹ کا شکار تو پھر گاڑی نے ہچکولے بھی کھانے ہونگے اور دھکے بھی کھانے ہونگے۔سڑک کے زیر و بم میں الجھتی اچانک زور سے بریک لگنے سے میں سوچ کی گہرائی اور خیالات کے تانوں بانوں سے چونکی تو ہم بخریت گاؤں پہنچ چکے تھے۔ اگلی صبح نور کے تڑکے نہر کے پاس گاؤں کے سب سے اونچے ٹیلے پر کھڑی سوچ میں گم دور تک ٹوٹی سڑک کو دیکھتے ہوئے دل میں اٹھتے سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ناگن کی طرح بل کھاتی کھیتوں کے بیچوں بیچ اس ٹوٹی سڑک کو جوڑنے کا کب کسی کو خیال آئے گا؟... آئے گا بھی یا نہیں؟؟

ویسے تو اکثر کہا جاتا ہے بلکہ فقط سنا جاتا ہے ہمارا ملک ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے مگر ہر شاہراہ ترقی کی طرف جانے کی بجائے آپس کی ٹوٹ پھوٹ کی شکار کیوں ہو جاتی ہے...؟؟؟؟؟؟؟

❋❋❋

## غزل

امۃ الباری ناصر

کچھ درد ہیں میرے ایسے بھی جو کہہ نہ سکی میں تم سے بھی
سہتا نہیں کوئی درد کسی کا‘ سہہ سکتا‘ تو کہتے بھی
ترے حسن کا تیرے احساں کا ہر پہلو کیسا دلکش ہے
میری ہی طرح سے پیار آئے کوئی میری نظر سے دیکھے بھی
میں اُس کو منانے کی خاطر راتوں کو اُٹھ کر روتی ہوں
کچھ تو بے پروا ہے وہ کچھ بھول ہوئی ہے مجھ سے بھی
میں آنکھیں بچھائے بیٹھی ہوں اک آس کی سونی راہوں پر
سنگار کیا ہے جس کے لئے اے کاش وہ آئے دیکھے بھی
ساجن کے ملن کا جوش و جنوں سولی کو سیج بناتا ہے
کردے گا وہ گلزار اسے کوئی عشق کی آگ میں کودے بھی
جب کوئی ہم آہنگ نہ ہو ہم درد نہ ہو ہم رنگ نہ ہو
اچھا ہے دل کی دل میں رہے جب وہ نہ ملے جو سمجھے بھی

❋❋❋

# خواتین کا مقام و تحفظ

تحریر: ماہ طلعت نثار

اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام انسانوں کو قابل تکریم ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ ہم نے اولاد آدم کو عزت دی۔مرد وعورت کے مجموعے کا نام انسان ہے۔عورت اور مرد، نوعِ انسانی کے دو اہم جُز ہیں۔عورت کے بغیر انسانیت کی تکمیل نہیں ہوتی۔عورت اللہ تعالیٰ کے لطف و جمال کا مظہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر دل کشی، دل رُبائی، شیرینی اور حلاوت کا جمال رکھا ہے۔ پھر خالق و مالک نے اپنی صفتِ تخلیق عورت کو ہی عطافرمائی۔عورت معاشرے کا ستون، خاندان کا مرکز محبت اور قوم کا دھڑکتا دل ہے۔ اچھی مائیں ہی ایک اچھی قوم کو پروان چڑھاتی ہیں۔اسلام نے عورت کو اس قدر عزت واہمیت دی کہ قرآن کی ایک عظیم سورۃ کا نام سورۃ النساء ہے۔ پھر ایک سورۃ کا نام سورۂ مریم ہے۔

قرآن پاک میں عورت کا متحرک کردار بھی ہر جگہ نظر آتا ہے۔ اسلام نے انسانیت پر جو بے حد احسانات کیے ہیں، ان میں سے ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ عورت کو اس کا صحیح مقام عطافرمایا۔ جب کہ طلوع اسلام سے قبل عورت کی کوئی عزت نہ تھی۔

شریعتِ اسلامیہ نے عورتوں کو وہ حقوق دیے جو انہیں کسی تہذیب اور مذہب نے نہیں عطا کیے۔ قرآن مجید میں جو احکامات مردوں کو دیے گئے وہی عورتوں کو بھی دیے گئے۔ ذیل میں چند قرآنی تراجم پیش کیے جارہے ہیں جن سے اس بات کا بہ خوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔

سورۃ نحل میں ارشاد ربانی کا مفہوم ہے: ”جو بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، وہ مومن ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم ان کے عمل کا ان کو بہترین بدلہ دیں گے۔“

سورۃ نور میں ارشاد ربانی کا مفہوم ہے: ”کہہ دو مومنین سے کہ اپنی نظریں جھکائے رکھیں، یہ ان کے لیے پاکی کا ذریعہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے باخبر ہے اور کہہ دو مومن عورتوں سے کہ اپنی نظریں جھکائے رکھیں۔“

فرمانِ الٰہی کا مفہوم: ”سو منظور کرلیا ان کے رب نے ان کی درخواست کو اس وجہ سے کہ میں تم میں سے کسی شخص کے کام کو جو تم میں کرنے والا ہے، اکارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے جز و ہو، تو جو لوگ میرے لیے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے میں ان کے گناہ دور کردوں گا اور انھیں بہشت میں داخل کردوں گا۔“

اسلام نے عورتوں کی چاروں حیثیتوں ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کو اعلیٰ وارفع مقام پر فائز کیا۔

1۔عورت بہ حیثیت ماں: والدین کے ساتھ حسن سلوک ان کے ادب واحترام اور فرماں برداری کے جو تاکیدی احکامات قرآن وسنت نے دیے ہیں، کسی اور مذہب نے نہیں دیے۔ ماں وہ عظیم ہستی ہے جس نے نبیّوں اور ولیوں جیسی اعلیٰ ہستیوں کو جنم دیا۔ ماں کی گود اولین درس گاہ قرار پائی۔ ہر مرد جو انسانی ترقی کے عروج پر پہنچتا ہے اس کامیابی وکامرانی پر اپنی ماں ہی کا مرہون منّت ہوتا ہے۔مشہور ومعروف حدیث کا مفہوم ہے: ”ماں کے قدموں تلے جنّت ہے۔“

ایک صحابیؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟“ آپؐ نے فرمایا: ”تیری ماں“ صحابیؓ نے تین مرتبہ یہی سوال کیا اور آپؐ نے ایک ہی جواب دیا: ”تیری ماں“ چوتھی مرتبہ فرمایا: ”تمہارا باپ۔“ یعنی ماں کو تین درجے مقدم رکھا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، مفہوم: ”بلاشبہ اللہ نے تم پر اپنی ماؤں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کردی۔“ (بخاری ومسلم)

2۔عورت بہ حیثیت بیٹی اور بہن: قبل از اسلام بیٹی کی پیدائش کو منحوس خیال کیا جاتا اور باعث شرم سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردیا جاتا تھا، مگر اسلام نے بیٹی کی پیدائش کو باعث رحمت قرار دے کر معاشرے میں انقلاب برپا کردیا۔

ایک اور موقع پر حضور اکرمؐ نے فرمایا: ”جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ گئیں تو قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح آئیں گے۔ آپؐ نے اپنی انگشت شہادت کو ساتھ والی انگلی سے ملاکر دکھایا۔

کہاں وہ معاشرہ جہاں بیٹی کی پیدائش کو باعث ندامت سمجھا جاتا تھا۔ اب آنحضورؐ کی قربت اور نارِ جہنم سے دوری کی نوید وبشارت دی جارہی ہے۔حضرت فاطمۃ الزہرہؓ سے حضورؐ کو اتنی محبت تھی کہ انھیں اپنے جگر کا ٹکڑا فرماتے، جب حضرت فاطمہؓ آپؐ سے ملنے آتیں تو آپؐ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاتے، کبھی ان کے لیے اپنی چادر بچھاتے۔ اسلام نے پہلی مرتبہ عورت کو مستقل قانونی تشخص عطا کیا۔ وراثت میں باقاعدہ حصہ مقرر کیا۔ وہ اپنی ذاتی ملکیت رکھ سکتی ہے اور اس پر تصرف کا اختیار بھی۔ اسلام سے پہلے کسی مذہب نے عورتوں کو جائیداد میں اس طرح حصہ نہیں دیا۔

3۔عورت بہ حیثیت بیوی: اسلام سے قبل عورت کو بہ حیثیت بیوی بھی وہ عزت نہیں دی جاتی تھی جس کی وہ حق دار تھی لیکن اسلام نے بیوی کو ایک اعلیٰ مقام اور شناخت دی، یہاں

تک کہ ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا: ”جس شخص کو نیک بیوی مل گئی اس شخص کا آدھا دین مکمل ہو گیا۔“

حضورؐ نے آخری خطبے کے موقع پر بھی عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین فرمائی۔

حضورؐ کی ازواج مطہرات کو ”امہات المومنینؓ“ یعنی امت کی مائیں کہہ کر فضیلت بخشی۔

مسلمانوں کی دینی تعلیم و تربیت میں ازواج مطہراتؓ کا نمایاں کردار رہا۔

ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا: ”دنیا پوری کی پوری متاع ہے اور اس کی بہترین متاع نیک عورت (بیوی) ہے۔“

غرض یہ کہ شریعتِ اسلامیہ نے عورتوں کو جس اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز کیا کہ ہم یہ کہنے میں حق بہ جانب ہیں کہ اسلام کا وجود میں آنا خصوصاً عورتوں کے حق میں انقلابی تھا۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ شیطان جب بھی کسی سماج و معاشرے کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اس معاشرے کی عورتوں کا کردار تباہ کرتا ہے۔ ہمارے معاشرے کا نصف حصہ عورتوں پر مشتمل ہے، یوں معاشرے کو سنوارنے یا بگاڑنے میں عورت کا بہت ہاتھ ہوتا ہے۔

آیئے! اب ہم عورتوں کے چاروں روپ میں اپنا جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام نے جس اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز کیا ہم نے اپنے ہی پاؤں تلے روند تو نہیں ڈالا؟ ہم نے اسلام کی حدود کو پامال تو نہیں کیا؟ کیا ہم اپنی ذمے داریاں احسن طریقے سے ادا کر رہے ہیں؟ کیا ہم اپنے بچوں کی تربیت اسلام کے مطابق کر رہے ہیں؟ کیا ہم بچوں کو نماز کا عادی بنانے میں کامیاب ہو رہے ہیں؟ کیا ہماری بچیوں کا لباس شریعت اسلامیہ سے مطابقت رکھتا ہے؟ کیا ہمارے پہناوے مردوں کی مشابہت تو نہیں اختیار کر رہے؟

حضورؐ نے مخالف جنس کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔“ (صحیح بخاری)

کیا ہمارا طرزِ معاشرت، طرزِ بود و باش اسلامی اقدار کے مطابق ہے؟

کیا ہم مغربی تہذیب سے متاثر و مرعوب ہو کر اس کی تقلید کر کے اپنے آپ کو برتر تو نہیں سمجھ رہے؟

مغربی تہذیب کی تقلید کے بارے میں علامہ اقبال کا یہ شعر بالکل درست ہے:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب خواتین کو اسلام کے دائرے میں رہ کر زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ آمین

❀❀❀

# سعودی عرب نے تیسری خاتون سفیر مقرر کر دی

سوئیڈن میں سفیر تعینات ہونے والی ایناس الشہوان سے قبل امریکہ اور ناروے میں دو سعودی خواتین سفیر ذمہ داریاں ادا کر رہی ہیں۔

سعودی عرب کی خاتون سفیر ایناس الشہوان نے جمعرات کو یورپی ملکوں سوئیڈن اور آئس لینڈ میں خادم الحرمین الشریفین شاہ سلمان عبدالعزیز کے سامنے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ ایناس الشہوان تیسری خاتون ہیں جنہیں سعودی عرب کی بطور سفیر نمائندگی کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ اس سے قبل شہزادی ریما بنت بدر بن سلطان کو امریکہ اور آمال المعلمی کو ناروے میں سعودی عرب کا سفیر تعینات کیا گیا تھا۔

العربیہ اردو کے مطابق ایناس الشہوان کی ورچوئل حلف برداری تقریب میں ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان سمیت مملکت میں متعین دوسرے ملکوں کے سفیر بھی شرکت کی۔

ایناس الشہوان کو 2007 میں سعودی عرب کی وزارت خارجہ میں تعینات کیا گیا تھا۔ وہ نائب وزیر خارجہ کی معاون خصوصی برائے سیاسی امور سمیت کئی دوسرے عہدوں پر کام کر چکی ہیں۔ وہ وزارت خارجہ میں سیاسی اور اقتصادی امور کے ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہونے والی پہلی خاتون ہیں۔

انہوں نے متعدد اہم سیاسی ذمہ داریوں اور عہدوں پر کام کیا اور کئی علاقائی اور بین الاقوامی پلیٹ فارمز پر مملکت کی نمائندگی کی۔

ایناس الشہوان وزارت خارجہ کے مختلف شعبوں میں لیکچرز اور ہونے والی ورکشاپس میں بھی حصہ لے چکی ہیں۔ انہوں نے آسٹریلیا سے بین الاقوامی تعلقات میں ماسٹر ڈگری حاصل کی اور وہ 2017 میں وزارت خارجہ امور کے ذریعہ شروع کیے جانے والے فیوچر لیڈرز پروگرام کے پہلے گروپ کی ممبر ہیں۔ انہوں نے ہارورڈ یونیورسٹی سے ایمرجنگ لیڈرشپ پروگرام کا بھی ڈپلومہ حاصل کر رکھا ہے۔ ❀❀❀

# برقعے اور نقاب کے پیچھے سے میں نے کیا دیکھا

تحریر: عفت حسن رضوی

یہ سچا تجربہ بیان کرنے کا اس سے بہتر وقت شاید کبھی نہیں ہو گا۔ اسے کرتے وقت شاید یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ صرف ایک تجربہ بن جائے گا یا کبھی اسے لکھنا بھی پڑے گا۔ میں کراچی یونیورسٹی کے شعبہ ماس کمیونیکشن میں پڑھتی تھی۔ یونیورسٹی شہر کا ایک کونہ ہے تو رہائش کھارادر شہر کا پہلا سرا تھی۔ یونیورسٹی کے پہلے سمیسٹر میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ شہر کی طرح کراچی یونیورسٹی بھی فنڈز کی شدید کمی کا شکار ہے۔ دن میں اولڈ سٹی کے لیے دو ہی بسیں چلتی تھیں۔ وہ چھوٹ گئیں تو سمجھو گئے۔ اس لیے یونیورسٹی آنے جانے کو پبلک بسوں کے دھکے تو کھانے پڑیں گے۔

یونیورسٹی گیٹ تک آنے کے لیے میلوں لمبی واک، کراچی کی دھوپ، اولڈ سٹی کی ٹریفک آلودگی اور ہمارا سانولا رنگ۔ سوچنا شروع کیا کہ برقع پہنا جائے، پھر رفتہ رفتہ برقع پہننے والیوں سے انٹرویوز کیے تو پتہ چلا جو کپڑے استری کرنے کا جھنجھٹ ہے اس سے بچت ہوتی ہے، بلکہ برقعے کے اندر پھٹے پرانے کپڑے بھی پہن رکھے ہوں تو سب چھپ جاتا ہے۔ جھٹ کھارادر کی مارکیٹ سے ایک سستا سا چھانٹ کے سیاہ برقع اور سکارف خریدا جس میں نقاب بِلٹ ان تھا۔ بلٹ ان یعنی سر پہ سکارف پہنیں تو ساتھ میں سلا ہوا نقاب اپنے آپ چہرے پہ فکس ہو جاتا ہے۔ نظر صرف میرا نظر کا چشمہ ہی آتا تھا۔

گھر والوں نے اسے میری مرضی سمجھ کر قبول کیا کیونکہ خاندان میں برقع چادر عبایا اور دوپٹے سب رائج ہیں۔ سہیلیاں اگرچہ سب سر پہ دوپٹے لیتی تھیں لیکن میرے برقع پہننے پہ سب نے ہی برقعے میں لگنے والی گرمی سے ڈرایا، ایک نے کہا شخصیت بگڑ جائے گی، تم کہیں سے صحافی نہیں لگو گی۔

لیکن میں نے برقعے کی وکالت میں کئی دنیاوی اور آخروی دلائل دیئے۔ ایک دلیل یہ بھی دی کہ چہرے پہ نقاب آنے سے مفت کا سن سکرین اور فحش نظروں سے نجات مل جاتی ہے۔ برقع پہنا تو اندازہ ہوا اسے پہننے والوں کے بھی اپنے معیار اور درجے ہیں۔ برقع صرف سیاہ کپڑا نہیں، اس کی سلائی، کپڑے کی نفاست اور اس کا خلیجی ممالک جیسے دبئی وغیرہ سے امپورٹڈ ہونا اسے دیگر برقعوں سے ممتاز بناتا ہے۔ برقعے کی ساخت سے بھی پہننے والی کے سوشل سٹیٹس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بعض لڑکیوں نے برقعوں میں ایسی جدت گھولی ہے کہ اس کا مقصد فوت ہو جائے۔ برقعے کا کپڑا اتنا مہین بھی ہوتا ہے کہ اندر سے سارا لباس عیاں ہو، بعض اسے اپنے جسم کے حساب سے فٹ کروا لیتی ہیں اور بعض برقعوں پہ ستاروں سے ایسی مینہ کاری کی گئی ہوتی ہے کہ ان اقسام کے برقعے اپنی سمجھ نہیں آئے۔

خیر میں نے برقع کی تمام تر باریکیوں میں جائے بغیر ایک عام سیاہ برقع پہننا شروع کر دیا۔ برقع زمانہ طالب علمی میں بناؤ سنگھار کے غیر ضروری شغف کو ختم کرتا ہے، تیاری پہ زیادہ وقت نہیں لگتا اور آپ کی شناخت چھپی ہوئی ہوتی ہے اس لیے عجیب سی آزادی محسوس ہوتی ہے۔

ابتدائی دنوں میں لگا زندگی میں بہار سی آ گئی، برقعے اور نقاب کے اس پار میں یہ سمجھنے لگی کہ میں نے سلیمانی ٹوپی پہن لی ہے، اب مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

یہ میری بھول تھی۔ ابتدا بس سٹاپ سے ہوئی، بولٹن مارکیٹ کے بس سٹاپ پہ بینک ملازم، وکیل اور ہول سیل مارکیٹ میں آئے عام افراد اکثریت میں ہوتے۔ یہ سب پہلے بھی ہوتے تھے مگر کبھی پرواہ نہیں کی تھی۔ مگر برقع کے ساتھ محسوس کیا کہ کندھے سے ٹکرا کر نکل جانا گویا معمول ہے۔ کچھ عرصے میں لگا کہ پبلک بس میں پہلے جو نظریں گھورتی تھیں، اب بھی مسلسل تعاقب میں ہیں۔ خواتین کے خانے کی سیٹ پہ بیٹھ کر پیچھے بیٹھے حضرات کی دست درازی سے بھی کوئی حفاظت نہیں۔

یہ بھی عقد کھلا کہ رنگین دوپٹہ سر پہ ہو سینہ ڈھکا ہو، یا سر سے پاؤں تک جسم سیاہ کپڑے میں چھپا، جس نے راہ چلتے پیچھا کرنا ہوتا ہے وہ کرتا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں دیکھتا کہ برقعے کے اندر اس کی ماں کی عمر کی عورت ہے یا اس کی بیٹی جتنی لڑکی۔

برقع تھا تو برقعے والیوں کے نئے گروپس میں شمولیت ملی جس میں اسلامی جمعیت طالبات کا ایک ٹھکانہ آرٹس فیکلٹی کے ڈین کے ساتھ والا گرلز ویٹنگ روم بھی تھا جو عملاً نماز کا ہال بنا دیا گیا تھا۔ نماز ظہر کے بعد گھر جانے کی تیاری اور بات چیت کے دور چلتے۔ لگ بھگ ہر دوسری تیسری لڑکی سڑکوں، محلوں، گلیوں، پر ہجوم مارکیٹوں، راستوں، بس سٹاپوں اور بسوں میں ایسی چھیڑ اچھاڑی کی شکایت کرتی تھی، وہ بتاتی تھیں کہ کیسے بائیک روک کر ساتھ بیٹھنے کی گھٹیا آفر ہوتی ہیں۔ یاد رہے یہ سب لڑکیاں ماشاءاللہ سے باحجاب ہوا کرتی تھیں۔

یقیناً باپردہ ہونے کے لیے برقع پہننا، چادر لینا، یا دوپٹہ اوڑھنا ایک عورت کا ذاتی انتخاب ہے، یہ احسن فعل ہے، لیکن اس کے پردے کا انتخاب اس بات کی ضمانت نہیں کہ جنسی جرائم پیشہ افراد اپنے آپ ہی راہ راست پہ آ جائیں گے۔

سارے بیہودہ مزاج آوارہ مرد سیاہ برقع دیکھتے ہی کانوں کو ہاتھ لگائیں گے اور معافی کے لیے اللہ کے آگے سربسجود ہو جائیں گے۔ یا برقعے والی دیکھتے ہی راستہ بدل لیں گے اور کسی بے حیا کی تلاش میں گلیوں مارے مارے پھریں گے۔

عورت ٹافی ہے نہ ہی مرد ننگی ٹافی پہ بھنبھناتی مکھی۔ یہ دونوں اشرف المخلوقات ہیں۔ ان کا نفس، شہوت، دل، مزاج، آنکھیں، زبان، ہاتھ، جسم، جنسی رجحان، حلال حرام اور اچھے برے میں تمیز ان کے کنٹرول میں ہے۔ کسی روبوٹ یا سیاہ برقعے کی سلوٹ میں نہیں۔

# راہِ گم گشتہ کے مسافر

تحریر: صائمہ زکریا

انسان کبھی کبھی ایسے راستے پر چل نکلتا ہے جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی اور جہاں اسے نہ آگے کا راستہ دکھائی دیتا ہے اور نہ پیچھے کا اور وہ خود کو بے بس اور لاچار محسوس کرتا ہے۔

مہوش آزاد خیال لڑکی تھی، اسے خود پر غرور تھا وہ خود کو سب سے حسین سمجھتی تھی اور اس کا دل چاہتا تھا کہ اس کا بھی امیر لوگوں کی طرح عالی شان گھر ہو نوکر چاکر ہر وقت آگے پیچھے گھوم رہے ہوں، کالج میں بھی اس کی دوستی امیر لوگوں سے تھی، کالج تو بہانہ تھا وہ تو سارا دن مہنگی گاڑیوں میں گھومتی اور خوب مزے کرتی۔ مہوش کی منگنی تو خالہ کے بیٹے سے بچپن میں ہی کر دی تھی۔ وہ تو ثاقب کو پسند بھی نہیں کرتی تھی۔ لیکن ثاقب اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھتا تھا۔ اسے بہت محبت کرتا وہ جب بھی اسے کوئی تحفہ دیتا تو مہوش اس کا ہمیشہ مذاق اُڑاتی تھی... ایک دن وہ کالج سے گھر آ رہی تھی اس کی ملاقات ساحل سی ہوئی، اس نے بتایا کہ اسے اپنے میگزین کے لئے ایک نئی ماڈل کی تلاش ہے۔ ساحل نے کہا آپ ہمارے ساتھ کام کریں میں آپ کو اس کام کا منہ مانگا معاوضہ دوں گا۔ مہوش تو پہلے ہی اسی موقع کی تلاش میں تھی اس نے بغیر سوچے سمجھے ہاں کر دی۔ وہ روز کالج جانے کے بہانے ساحل کے آفس جاتی اور وہاں تصویریں بنواتی اور ماڈلنگ بھی کرتی۔ ساحل نے اسے بہت سارے پیسے دیئے، اتنے سارے پیسے تو اس نے ساری زندگی میں نہیں دیکھے تھے۔ اس کی ساحل سے بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ ساحل اسے اچھی زندگی کے خواب دکھاتا۔ اس سے شادی کا یقین دلاتا مہوش بھی اس سے پیار کرنے لگ گئی تھی۔ اسے ساحل پر یقین تھا کہ وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ وہ روز کالج جانے کے بہانے ساحل سے ملتی اور سارا دن اس کے ساتھ گھومتی اور مزے کرتی... ایک دن مہوش کی امی نے ساحل اور اس کو فون پر باتیں کرتے سن لیا، اسے بہت ڈانٹا اسے کمرے میں بند کر دیا۔ مہوش کی ماں نے سوچا کہ اس کی شادی کر دی جائے یہ نہ ہو یہ ہاتھ سے نکل جائے مہوش کی ماں نے اس کی شادی طے کر دی۔ مہوش نے بھی سوچ لیا کہ کیسے کریں گے میری شادی میری مرضی کے خلاف۔ بس وہ صحیح موقع کی تلاش میں تھی۔ شادی والے دن سب پیسے اور جیولری لے کر پارلر سے بھاگ گئی۔ اس نے پہلے ہی ساحل کے ساتھ سب پلان بنا لیا تھا۔ اور وہ سیدھے ائیرپورٹ گئے اور باہر کے ملک روانہ ہو گئے۔ ساحل اسے ایک ہوٹل میں لے گیا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے مہوش سے کہا آؤ ناشتہ کر لو اور اچھا سا تیار ہو جاؤ ہم آج کورٹ میرج کریں گے۔ مہوش تو بہت خوش تھی جلدی جلدی تیار ہوئی اور ساحل کے ساتھ ناشتہ کرنے لگی۔ اچانک اس کی طبیعت خراب ہونے لگی اسے چکر آنے لگے اور وہ بیہوش ہو گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے ساحل کو کمرے میں نہ پایا۔ جب اس کی نظر اپنے سامان پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ اس کے پیسے جیولری سب غائب ہے ساحل سب چرا کے اسے دھوکا دے کر بھاگ گیا تھا۔ وہ بہت پریشان ہو گئی وہ تو ادھر بالکل نئی تھی اور کسی کو بھی نہیں جانتی تھی یہی سوچ رہی تھی کہ اب کیا کرے، پیسے نہ ہونے کی وجہ سے اسے ہوٹل چھوڑنا پڑا، اب وہ سڑکوں پر گھوم رہی تھی اس کی حیثیت اب کسی فقیر سے کم نہ تھی... بہت پچھتا رہی تھی کہ اپنی اتنی اچھی زندگی کو ٹھکرا کر اسے کیا ملا ہے؟ اس نے کبھی اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا اور آج وہ ایک وقت کے کھانے کو اور اپنے گھر کو ترس رہی تھی... اس کے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔ وہ وطن واپس کیسے جاتی۔ اور کس منہ سے؟ وہ اپنے ماں باپ کی عزت مٹی میں ملا کے آئی تھی۔ اونچا اڑنے کے چکر میں وہ زمین پر جا گری۔ اس نے کل سے کچھ بھی نہ کھایا تھا وہ پارک میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک بیہوش ہو گئی۔ ادھر کوئی خدا ترس انسان تھا وہ اسے ہسپتال لے گیا۔ جب مہوش کو ہوش آیا تو اس آدمی نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کدھر سے آئی ہے؟ مہوش نے روتے روتے سارا قصہ بتایا۔ اس آدمی نے کہا میرے دوست کا ہوٹل ہے ادھر اسے مددگار کی ضرورت ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں ادھر لگوا سکتا ہوں۔ مہوش نے ہاں کر دی اور اس آدمی کے ساتھ چل پڑی اور اس آدمی نے اسے نوکری پر لگوا دیا... سارا دن وہ صفائی کرتی اور برتن دھوتی اور بے شمار چھوٹے چھوٹے کام کرتی۔ اور رات کو تھکی ہاری ہوٹل کے اوپر بنے ہوئے ایک چھوٹے سے سٹور میں سو جاتی تھی۔ وہ سوچتی انسان لالچ میں آ کر اسے بھی کھو دیتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے... وہ سوچ رہی تھی کہ وہ واپس چلی جائے گی اور اپنی امی سے معافی مانگ لے گی۔

ایک دن وہ کچن میں صفائی کر رہی تھی کہ اچانک چولہے میں آگ لگ گئی اور آگ بہت جلدی ادھر ادھر پھیل گئی۔ کافی لوگوں نے باہر بھاگ کر اپنی جان بچائی لیکن اس سے باہر نہ نکلا گیا اور اس کا چہرا اور جسم کا کچھ حصہ جھلس گیا۔ وہ جلن سے کراہ رہی تھی دو تین ماہ اس کا علاج چلتا رہا۔ یہ وقت اس کے لئے بہت تکلیف دہ اور اذیت ناک تھا۔ اس کے پاس تو کوئی اپنا بھی نہ تھا، اور ہوتا بھی کیوں سب رشتوں کو وہ خود ٹھوکر مار کر آئی تھی۔ وہ بہت پچھتا رہی تھی۔ جب طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو اس نے سوچا کہ وطن واپس چلی جائے۔ اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا، مگر مالک رحم دل تھا، اس نے واپسی کے لیے مدد کر دی۔

وہ بہت شرمندہ تھی اور سوچ رہی تھی کہ ماں کو کیا منہ دکھائے گی۔ اور جب وہ گھر پہنچی تو وہاں کوئی اور ہی رہ رہا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئی اور ہمسائیوں سے جا کے پوچھا کہ اس کی ماں کدھر ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ابھی تمہاری ماں کو تمہارے گھر سے بھاگ جانے کا صدمہ بھولا نہیں تھا کہ کسی نے تمہاری تصویریں اور ویڈیوز سوشل میڈیا پر ڈال دیں۔ اتنی بدنامی وہ برداشت نہ کر پائی اور دل کا دورہ پڑنے سے اللہ کو پیاری ہو گئیں... مہوش کو جب ان باتوں کا علم ہوا تو بہت روئی اور پچھتائی اس نے زیادہ کی چاہ میں سب کچھ گنوا دیا۔ اس کے پاس کوئی راستہ نہیں بچا تھا کہ وہ کدھر جائے اور کیا کرے۔ وہ بلکل اکیلی اور بے سہارا ہو گئی تھی، نہ سر چھپانے کو کوئی جگہ تھی نہ ٹھکانا۔ اس نے اپنا چہرہ ایک نقاب میں چھپا رکھا تھا کیوں کہ وہ دیکھنے کے قابل بھی نہ تھا...

وہ پریشان حال ادھر اُدھر بھٹک رہی تھی راہِ گم گشتہ کے مسافر کی طرح۔ ❀❀❀

# دھنک یا قوسِ قزح 12 مختلف انداز کی ہوسکتی ہیں

پیرس: بارش کے بعد آسمان پر بننے والی دلکش رنگوں کی قوس ایک دو نہیں بلکہ 12 مختلف انداز میں ترتیب پاتی ہیں۔

فرانس میں قومی موسمیاتی تحقیقی سینٹر کے ماہر جین ریچرڈ کے مطابق بارش کے بعد دو دو اور تین تین کے جوڑوں میں بھی قوسِ قزح اور دھنک بنتی ہیں بعض دھنک تھوڑی دیر میں رنگ بدلتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی منٹوں میں بھی ہوجاتی ہے۔ دھنک بننے کے عمل سورج کی کرنیں پانی کے قطروں میں منعکس (ریفلیکٹ) اور منعطف (ریفریکٹ) ہوتی ہیں جس سے روشنی سات رنگوں میں تقسیم ہوجاتی ہے اور سات رنگوں کی کا ایک نیم دائرہ بنتا ہے۔

لیکن روشنی کی مختلف طولِ موج (ویولینتھ) کی وجہ سے مختلف رنگ مختلف انداز میں مڑتے ہیں اور اس طرح مختلف انداز میں دھنک وجود میں آتی ہیں جنہیں 'دھنک کے ذائقوں' کا نام دیا گیا ہے ان میں چار رنگوں اور پانچ رنگوں کی دھنک بھی ہوسکتی ہے اور انہیں آر بی ون آر بی ٹو اور آر بی تھری وغیرہ کا نام دیا ہے۔ دھنک کے ذائقوں کی کل تعداد 12 ہے۔ مثال کے طور پر چار طرح کی دھنک میں سارے رنگ نظر آتے ہیں جب کہ آر بی 6 میں سبز رنگ نہیں ملے گا، اسی طرح آر بی 9 میں صرف نیلا اور سرخ رنگ ہی نمایاں ہوتا ہے۔ دھنک یا قوس قزح (Rainbow) فطرت کا ایک مظہر ہے جس میں بارش کے بعد فضا میں موجود پانی کے قطرے ایک منشور کی طرح کام کرتے ہیں۔ جب ان میں سے سورج کی شعائیں گزرتی ہیں اور یہ گزرنے کے بعد سات رنگوں میں بدل جاتی ہیں اور یوں آسمان کے اوپر ایک ست رنگی کمان یا دھنک بن جاتی ہے۔ اسے قوس و قزح بھی کہتے ہیں۔ ❁❁❁

## وفا کا میری دیا ہاتھ سے بجھاتے ہوئے

(فہمیدہ مسرت احمد جرمنی)

وفا کا میری دیا ہاتھ سے بجھاتے ہوئے
پلٹ کے دیکھا نہ اک بار اس نے جاتے ہوئے
لگے تھے پنکھ فضاؤں میں اُڑ رہی تھی میں
ہوا میں جگنو ترے نام کے اُڑاتے ہوئے
یہ چاند تارے مرے ساتھ جاگتے ہی رہے
تمام رات محل پیار کا بناتے ہوئے
انا کو طاق پہ اپنی اگرچہ رکھ ڈالا
بلک بلک کے میں روئی اُسے مناتے ہوئے
نہ جانے کتنے مراحل سے کرب گزرا تھا
وہ اس کا ہاتھ کسی غیر کو تھماتے ہوئے
فریب دیتے ہیں اکثر یہ قد لہجوں سے
ذرا سا ہنستے ہوئے بات کو گھماتے ہوئے
ہماری آنکھوں میں اک خواب روشنی کا رہا
اندھیرے ظلم و ستم کے سدا مٹاتے ہوئے
چھلک پڑے ہیں مسرت یہ اشک جانے کیوں
پلک پلک پہ ستارے کبھی سجاتے ہوئے

❁❁❁

## احمدی عورت ایک نگینہ

ناصرہ ایوب فرینکفرٹ جرمنی

ہمیشہ واحد خدا کی بندی بنی رہیں گی یہ طے ہوا ہے
درود پڑھتے نبی کے در پر پڑی رہیں گی یہ طے ہوا ہے
برف کے تودوں پہ ہم کو چلنا پڑے اگر تو چلیں گے ہم سب
امام مہدی کے ہاتھ پر ہم بکی رہیں گی یہ طے ہوا ہے
ہمیشہ حق بندگی کا ہم نے ادا ہی کرنا ہے میرے پیارو
دعائیں اک دوسرے کے حق میں یونہی کریں گی یہ طے ہوا ہے
خدا کے آگے ہی سجدہ گاہ پہ ہمارے آنسو گریں ہمیشہ
نہ غیر اللہ سے ہم کبھی بھی وفا کریں گی یہ طے ہوا ہے
مسیح اس سر زمیں پہ آئے ہے نام جس کا کہ قادیاں ہے
خدا دکھائے گا وہ ہمیں بھی دعا کریں گی یہ طے ہوا ہے
ہمیں ملا نام لونڈیاں ہے خدا کی لجنہ و ناصرہ بھی
ہمیں نے دنیا فتح ہے کرنی وفا کریں گی یہ طے ہوا ہے
اگر ہے بننا ہمیں نگینے تو حق بیعت ادا ہے کرنا شروط بیعت
کے ہر حرف پر عمل کریں گی یہ طے ہوا ہے
کبھی نہ جھوٹوں کا ساتھ دیں گی ہمیشہ سچوں کی ماں بنیں گی
خدا کی راہ میں ہر ایک شئے کو فدا کریں گی یہ طے ہوا ہے
ماں کے قدموں میں ڈھونڈنی گر ہمیں ہے جنت تو یاد رکھو
خدا کے قدموں میں ڈال کر نہ دغا کریں گی یہ طے ہوا ہے
پیارے آقا کے ہر حکم کی ہمیشہ تعمیل جھٹ سے پہلے
ہماری نسلیں بھی زیر سایہ یونہی رہیں گی یہ طے ہوا ہے

❁❁❁

# آٹزم کا شکار بچے کا

## والدین ہونا آسان نہیں!

تحریر: سائرہ فاروق

شکر ہے کہ اب لوگوں میں آٹزم (Autism) کے بارے میں شعور پیدا ہوا ہے۔ مجھے اپنے گاؤں کے وہ دو بچے یاد آتے ہیں، جنھیں اس بیماری کی وجہ سے عجیب وغریب نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔۔۔ پورا گاؤں انھیں "سائیں" کہتا ہے ان سے باقاعدہ دعائیں کروائی جاتی ہیں اور گھر والے بھی اب ہر طرح کے علاج کے بعد مایوس ہو کر انھیں ان کے حال پر چھوڑ چکے ہیں۔

گاؤں دیہات میں آج بھی آٹزم کو کوئی مرض تصور نہیں کیا جاتا اس کی بنیادی وجہ والدین کی اس بیماری سے ناواقفیت ہے۔ دوسری وجہ اس نفسیاتی بیماری کا کوئی علاج نہیں، تو والدین ڈاکٹری علاج سے مایوس ہو کر بنیادی تربیت کی طرف سے بھی غافل ہو جاتے ہیں، جو آٹزم کے شکار بچے کو اگر بروقت مل جائے تو اس بچے کی جذباتی، ذہنی نشوونما میں مدد مل سکتی ہے آٹزم کا شکار بچوں کے والدین کو انتہائی صبر آزما مراحل سے گزرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہونے کے ساتھ اس بیماری سے متعلق آگاہی کا ہونا بھی اشد ضروری ہے

**آٹزم کیا ہے؟:** یہ ایک ایسی پیدائشی ذہنی بیماری ہے، جو نسلوں میں منتقل ہو سکتی ہے، بدقسمتی سے اس بیماری کا اب تک کوئی علاج دریافت نہیں ہو سکا، بچہ جب پیدا ہوتا ہے، تو دیکھنے میں وہ بالکل نارمل ہی لگتا ہے، لیکن جوں ہی اس کی عمر دو یا تین سال کے قریب ہوتی ہے تو اپنی عادات و رویے کی وجہ سے دوسرے بچوں سے مختلف دکھائی دیتا ہے، چناں چہ باقاعدہ تشخیص کے ذریعے یہ بیماری علم میں آتی ہے اس سے پہلے اس بیماری کا پتا چلانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بین الاقوامی شماریات کے مطابق 54 ہزار میں سے ایک بچہ آٹزم کا شکار ہوتا ہے اور اگر بروقت علاج نہ کیا جائے تو اس کی پوری زندگی برباد ہو سکتی ہے۔

**آٹزم کی علامات:** اس بیماری کی چند بنیادی علامات یہ ہیں:- ایسے بچے کا بولنا یا اپنی بات سمجھانا عام بچوں سے ذرا مختلف ہوتا ہے۔ وہ بات کرتے وقت نظریں چراتے ہیں۔ بار بار ایک ہی بات کو دہراتے چلے جاتے ہیں۔ انھیں سماجی روابط میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ توجہ دینے میں مشکل پیش آتی ہے۔ نام پکارنے پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کرتے۔ طبیعت میں نرمی یا جارحانہ پن ہوتا ہے۔ ہمہ وقت بے چین رہتے ہیں اور تنہائی پسند ہوتے ہیں۔

**آٹزم کی تشخیص:** اس کی تشخیص کے لیے ماہرینِ نفسیات کی ٹیم بچے کی حرکات وسکنات کا مکمل مشاہدہ کر کے اپنے پروفشنل طریقے کار کے ذریعے سے بچے کی بیماری کی اسٹیج کا درست تعین کرتی ہے۔

**آٹزم کی وجوہات:** ماہرین کے مطابق آٹزم کی کوئی خاص وجہ معلوم نہیں ہو سکیں۔ تحقیق سے اندازہ ہوا ہے کہ جینیاتی اور ماحولیاتی عوامل کی وجہ سے یہ بیماری ہو سکتی ہے، لیکن ہر شخص میں اس کی وجوہات مختلف بھی ہو سکتی ہیں۔

**آٹزم کے سلسلے میں:** والدین کیا اقدام کر سکتے ہیں؟

یہ والدین کے لئے ایک بہت بڑا صدمہ ہے، جب وہ اچانک سے بچے کے اندر ہونے والی تبدیلی کو 'آٹزم' کی صورت میں دریافت کرتے ہیں۔ والدین کو ایسے بچوں کے لیے خود کو کیسے تیار کرنا ہے یہ سوال دراصل انتہائی اہم ہے۔ طبی ماہرین کے مطابق جتنا جلدی بچہ کی تشخیص ہو گی، اتنا ہی جلدی بچے پر کام کیا جا سکتا ہے۔ والدین کے لیے ایسے بچے کو سنبھالنا آسان نہیں ہوتا، خاص طور پر اس سماج میں، جہاں لوگ اس بیماری کو سمجھتے ہی نہ ہوں اور بچوں کے سامنے ہی انھیں ذہنی مریض قرار دے کر بلاوجہ ترحم آمیز رویہ اختیار کریں۔

بچپن تو محبت کی چادر میں کسی نہ کسی طرح والدین کی سرپرستی میں گزر جاتا ہے، لیکن جب یہی بچے بڑے ہو کر باقاعدہ معاشرے کا سامنا کرتے ہیں، تو انھیں لوگوں کے رویے اور انداز سمجھ میں نہیں آتے، اس مشکل سے نکالنے کے لیے اور سماجی دنیا سے رابطے میں والدین ایک پل کا کردار ادا کرتے ہیں، کیوں کہ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں پر ایسے بچے جسمانی تبدیلیوں کے ساتھ جذباتی نشوونما کے مراحل سے بھی گزر رہے ہوتے ہیں، انھیں گھر سے باہر کی دنیا پریشان کرتی رہتی ہے، وہ اپنے سامنے ہنستے، الجھتے، بے تکان گفتگو کرتے، اتفاق رائے قائم کرتے ہوئے لوگوں سے سماجی دوری اختیار کرنے لگتے ہیں، لہٰذا اس موقع پر والدین کو ان مہارتوں کا علم ہونا چاہیے، جس سے ان کی مدد کی جا سکتی ہے۔

کیوں کہ ایسے بچے پڑھائی میں اچھے ہوتے ہیں، ذہین ہوتے ہیں انھیں ریاضی جیسے علوم میں قدرتی طور پر مہارت حاصل ہوتی ہے اور ان مضامین میں خود کو منوا بھی سکتے ہیں، اگر ان کے ارد گرد کا ماحول سازگار ہو، لیکن بعض اوقات اپنے ماحول سے بے چینی، یاسیت اور اداسی کا شکار ہو کر اپنے ہدف تک نہیں پہنچ پاتے لہٰذا ایسے بچے کی تربیت کے آغاز سے ہی والدین کو ماہرین سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ اس خاموشی کو توڑ دیں، جو ان کے اور بچے کے درمیان موجود ہے، بات چیت کی راہ نکالیں، بچے کو متوجہ کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بات کریں۔ جب بچہ بار بار بات دُہرائے، تو صبر سے اس کی بات کو سنیں، سوال ضرور کریں، مگر جواب دینے کے لیے انھیں وقت ضرور دیں۔

والدین کی طرف سے مناسب دیکھ بھال، بھرپور محبت اور 'اسپیچ تھراپی' وہ قوت ہے جو بچے کو اس بیماری سے لڑنے میں مدد دیتی ہے۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ جب آپ کے بچے میں اس کا انکشاف ہو تو پہلے خود کو سنبھالیں اور اس کے بعد مثبت سوچ رکھتے ہوئے بچے کی زندگی کو بہتر سے بہترین کرنے کی چارہ جوئی کریں۔ اگر وہ صدمے کا شکار ہو کر بیٹھ جائیں گے، تو اس سے مزید مشکلات بڑھ سکتی ہیں، کم نہیں ہو سکتیں، اس لیے جوں ہی تشخیص ہو، ویسے ہی آئندہ کی حکمت عملی کے بارے میں ماہرین سے مشورہ شروع کر دیجیے۔ ❁❁❁

# جستجو

## ”دوبار دفن ہونے والی حیرت انگیز خاتون“

1705 میں کسی عجیب قسم کے بخار سے دم توڑنے کے بعد، آئرش خاتون ”مارگوری میک کال“ کو جلدی سے دفن کر دیا گیا تا کہ اسکی لاش سے وبا کو پھیلنے سے روکا جا سکے۔ اُسکے خاوند نے مارگوری کو ایک قیمتی انگوٹھی تحفتاً دی تھی، جسے اسکا شوہر اپنی بیوی مارگوری کی موت کے بعد اسکے جسم پر سوجن ہوجانے کی وجہ سے اتارنے میں ناکام رہا تھا۔ مارگوری کی قبر قیمتی انگوٹھی کی وجہ سے چوروں کے لئے ایک بہترین ہدف بن چکی تھی، چور لاش اور انگوٹھی دونوں سے رقم بنا سکتے تھے۔ مارگوری کے دفن ہونے کے بعد اسی شام کو مٹی خشک ہونے سے پہلے ہی قبر پر ڈاکو پہنچ گئے اور کھدائی شروع کر دی۔ بہت جتن کے باوجود چور انگلی سے انگوٹھی نکال نہ سکے تو انہوں نے انگلی کاٹ لینے کا فیصلہ کیا۔ جیسے ہی انگلی کاٹی تو خون کی دھار نکلی اور مارگوری حرکت میں آ کر سیدھی بیٹھ کر چیخنے چلانے لگی۔ قبر لوٹنے والوں کے انجام کا پتہ تو نہ چل سکا، مگر ایک کہانی کے مطابق یہ افراد موقع پر ہی ہلاک ہو گئے، جبکہ ایک اور دعویٰ ہے کہ وہ فرار ہو گئے اور چوری کے پیشہ سے توبہ کر لی۔

اُدھر مارگوری قبر کے سوراخ سے باہر آ کر واپس اپنے گھر چلی گئی۔ دروازے پر دستک کی آواز سنتے ہی اس کا شوہر، ایک ڈاکٹر اور بچوں کے ساتھ گھر میں تھا۔ مارگوری کے شوہر دستک کا انداز پہچانتے ہوئے بچوں سے کہا، اگر آپ کی والدہ آج بھی زندہ ہوتی تو، میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ اس کی دستک ہوتی۔۔

جب اس نے دروازہ کھولا تو اس نے اپنی بیوی کو وہاں کھڑا پایا، وہ کفن میں ملبوس تھی۔ اس کی انگلی سے خون ٹپک رہا تھا لیکن وہ زندہ تھی، جبکہ اس کا شوہر یہ دیکھ کر فرش پر گرا اور دل کا دورہ پڑنے سے موقع پر ہی فوت ہو گیا جسے مارگوری کی ہی خالی ہونے والی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ مارگوری نے دوبارہ شادی کی اور اس کے کئی بچے پیدا ہوئے۔ جب آخر کار اسکی موت واقع ہوگئی تو اسے آئرلینڈ کے ”شنکیل قبرستان“ میں دفنایا گیا جہاں اب بھی اسکی قبر موجود ہے اور جس پر کندہ ہے:

**“LIVED ONCE, BURIED TWICE”**

خواتین ڈائجسٹ

# چہرے کی حفاظت

موسم کوئی بھی ہو، خواتین کو اپنی جلد کی فکر لاحق رہتی ہے۔ گرم اور خشک ہوائیں چہرے پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہیں، اس لئے خواتین کو اپنے چہرے پر خاص توجہ دینی پڑتی ہے، تا کہ چہرہ صاف، تروتازہ اور دلکش نظر آئے۔

چہرے کی حفاظت میں صفائی اور مساج اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مساج کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کے ہاتھ صاف ہوں اور ناخن تراشے ہوئے ہوں۔

اس کے علاوہ مساج کے دوران ہاتھوں کا چہرے پر نرمی سے استعمال کرنے کے بارے میں بھی آگہی ہونا ضروری ہے، جس کے لئے یقیناً مشق کی ضرورت پڑتی ہے۔ سب سے پہلے آپ بہت آرام دہ حالت میں بیٹھ کر کسی اچھی فیس کریم یا تیل سے چہرے پر مساج کریں۔ کریم کے انتخاب میں اس بات کا یقین کر لیں کہ چکناہٹ اتنی ہو کہ آپ کا چہرہ خشک نہ ہونے پائے، پھر بہت نرمی اور ملائم ہاتھوں سے مساج کریں۔ چہرے کے ہر حصے پر مساج کریں۔ سب سے پہلے چہرے پر تیل یا فیس کریم لگائیں۔ اپنے ہاتھوں کی جنبش گردن سے شروع کر کے ٹھوڑی تک لے آئیں۔ ہاتھوں کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے مساج کریں اور پھر چند منٹ کے لئے رک جائیں۔ اب جبڑے سے کانوں تک تھوڑی دیر مساج کریں۔ پھر چند لمحوں کا وقفہ دیں اور اس کے بعد کانوں کا مساج کرتے ہوئے جبڑے تک جائیں۔

اپنی انگلیوں کے پوروں سے اپنی ٹھوڑی اور منہ کے آس پاس اور ناک کا مساج کریں۔ ناک اور آنکھوں پر مساج کرتے ہوئے زیادہ دباؤ نہیں ڈالنا ہے۔ اس کے بعد پھر چند لمحوں کے لئے رک جائیں اور پھر ٹھوڑی کے نچلے حصے تک آئیں اور پھر یہی عمل دہرائیں۔ اس مرتبہ ناک اور ماتھے تک مساج کریں۔ اس پورے عمل کو کم از کم چار بار کیجیے، اپنے چہرے کو اس طرح ڈھانپ لیں، جیسے کوئی چیز چھپا لیتے ہیں۔ ہتھیلیاں منہ پر ہوں اور انگلیاں ماتھے پر، چند منٹ تک ہاتھوں کو چہرے پر اسی طرح رکھیں اور اس کے بعد دباؤ کم کرتے ہوئے ہاتھ ہٹا لیں۔

مساج کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنی انگلیوں کی مدد سے اپنے پورے چہرے پر چھوٹے چھوٹے دائروں کی شکل میں مساج کریں، اوپر والے ہونٹ سے اپنی ٹھوڑی تک کے حصے پر اپنی انگلیوں کی مدد سے نچلے ہونٹوں سے اپنی ٹھوڑی تک کے حصے پر اپنی انگلیوں کی مدد سے نچلے ہونٹوں سے کان کا مساج کریں۔ اس عمل سے منہ کے حصے کو بہت سکون ملے گا۔ اپنے ہاتھوں سے گالوں کو ہلکے ہلکے سے مساج کریں۔ ہلکے انداز میں ٹھوڑی کے نچلے حصے سے مساج شروع کریں۔ اسی طرح دوسرے گال پر بھی مساج کریں۔ اس سے نہ صرف جبڑے کو دباؤ سے نجات ملے گی، بلکہ آپ کو سکون بھی محسوس ہوگا۔ اپنے ہاتھوں کو ماتھے پر رکھیں اور ہاتھوں کی دونوں انگلیوں سے ہلکا دباؤ ڈالیں۔ ہاتھوں کو آڑے ترچھے انداز میں چہرے پر ایک دوسرے کی جانب لائیں اور پورے ماتھے پر آہستہ آہستہ مساج کریں۔ اس سے چہرے کی جلد کو سکون ملے گا اور مساج سے چہرے میں خون کی روانی بھی تیز ہوگی، جو جلد کی شادابی اور اسے نکھارنے کے لئے بے حد مفید ہے۔ ❀❀❀

# نومولود کی نگہداشت کے چند قواعد وضوابط

نئے آنے والے ننھے منے مہمان کی آمد کی تیاریاں مہینوں پہلے ہی شروع ہو جاتی ہیں۔ پُرمسرت جذبات کے ساتھ صرف بچے کے والدین ہی نہیں بلکہ دیگر عزیز و اقارب بھی اس خوشخبری کی وجہ سے خاصے پرجوش نظر آتے ہیں۔ نومولود کی شروع سے ہی نگہداشت کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اگر بچے کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا صحیح طریقے سے خیال نہ رکھا جائے یا لاپرواہی برتی جائے تو صحت سے متعلق کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس کا اثر صرف بچے ہی نہیں بلکہ پورے گھرانے پر پڑتا ہے۔

ذیل میں نومولود بچوں کی نگہداشت سے متعلق چند ہدایات پیش خدمت ہیں:

اکثر گھرانوں میں پیدائش کے چند ماہ بعد ہی بچوں کو شہد چٹانے کی روایت دیکھنے میں آئی ہے۔ بظاہر تو وہ بچوں کو غذائیت فراہم کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں مگر حقیقتاً ایسا کرنا بچوں کے لئے نقصان دہ ہے اور ایک سال سے کم عمر بچوں کی خوراک میں شہد کو مستقل غذا کے طور پر شامل کرنے کے سبب بچوں کو Botulism (شدید سوءِ ہضم) جیسی بیماری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس لئے شہد کو بچوں کی خوراک کے طور پر استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔ نومولود کو ابتدائی 3 سے اور بعض طبی ماہرین 6 ماہ تک فیڈر سے پانی پلانے کی بھی ممانعت کرتے ہیں البتہ وہ قدرتی دودھ یعنی شیر مادر پلانے پر بہت زور دیتے ہیں۔ قدرتی دودھ کے میسر نہ آنے کی صورت میں ڈبے کے دودھ کا انتخاب ہمیشہ ڈاکٹر کے مشورے سے کرنا چاہیئے۔ یاد رہے قرآنی تعلیم کے مطابق دو سال تک بچہ کو ماں کا دودھ پلایا جائے۔ بچوں کو سلاتے وقت ہمیشہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ انہیں سیدھا لیٹایا جائے نا کہ کروٹ یا پیٹ کے بل۔

اس کی وجہ سے یہ ہے کہ نومولود بچوں میں پلٹنے کی صلاحیت نہیں ہوتی جس کے باعث اگر الٹا یا کروٹ لیٹنے سے انہیں سانس لینے میں کسی قسم کے مسئلے کا سامنا کرنا پڑا تو وہ خود اپنی سمت بدلنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اس لئے رسک لینے سے بہتر ہے کہ انہیں ابتداء دنوں میں سیدھا لیٹایا جائے۔

بچوں کے Crib (پالنے) وغیرہ ہمیشہ نرم و ملائم ہونے چاہئیں اور ان کے اطراف موجود جالیوں کے اوپری حصے پر بھی نرم گدے کا غلاف ہو تو بہتر ہے ساتھ ہی اگر بچے کا پالنا آپ کے بستر سے تھوڑے فاصلے پر ہو تو اس کے اطراف کو کمبل، تکیے اور نرم کھلونوں کی مدد سے محفوظ کر دیں تاکہ کروٹ کے دوران بچے کو کسی قسم کی چوٹ نہ لگے۔ بچوں کو اپنے ساتھ سلانے سے بھی گریز کریں کیونکہ بعض اوقات والدین نیند میں بچوں کو دھکیل سکتے ہیں جس سے انہیں شدید نقصان پہنچتا ہے۔ نرم ملائم اور کمزور جسم کے نومولود بچوں کو چوٹ لگ سکتی ہے۔ نومولود بچے کا کمرہ الگ مت رکھئے۔ اگر کمرے میں گنجائش ہو تو بہتر ورنہ ماں بچے کے ساتھ ایک کمرے میں سوئے بعض بچے علی الصبح بیدار ہو جاتے ہیں۔

ان Morning Babies کے قریب ماں موجود ہو گی تو وہ فوراً ان کی ضرورتوں کو محسوس کر سکے گی۔

گرمیوں کے موسم میں بچوں کو کپڑے پہناتے وقت اس بات کا دھیان رکھئے کہ کپڑا ہلکا اور ہوادار ہو۔ مثال کے طور پر سوتی کپڑے اس لحاظ سے بہترین انتخاب ہوا کرتے ہیں۔ آج کل مارکیٹ میں ملنے والے بچوں کے کپڑوں کا میٹریل عموماً Cambric، جارجٹ یا نائیلون ہوتا ہے جس سے ہوا کا گزر نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔

ساتھ ہی ان کپڑوں کو زیادہ دیر پہنے رہنے کے باعث ریشز وغیرہ پڑنے کا بھی خدشہ رہتا ہے۔ سمجھداری کے ساتھ بچوں کے کپڑوں کا انتخاب آپ اور بچے دونوں کے لئے باعث سکون ہوگا۔ تقریبات کے پہناوؤں اور عام گھریلو استعمال کے لباس میں فرق روا رکھنا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ بے شک کیمبرک اور نائیلون کے ملبوسات بہت عمدہ اور نفیس ڈیزائن کئے گئے ہوتے ہیں لیکن یہ کپڑے سردیوں میں استعمال کرنے کے ہوتے ہیں۔ یا ایسی تقریبات کہ جہاں ایئر کنڈیشن چلتے ہوں وہاں پہنائے جا سکتے ہیں۔

پیدائش کے بعد لگنے والے حفاظتی ٹیکوں کے باوجود بعض اوقات بچے الرجی کا شکار ہو کر بیمار پڑ جاتے ہیں جس کی عام وجہ گھروں اور گاڑیوں میں استعمال کئے جانے والے ایئر فریشنر یا پرفیوم ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ کم سے کم استعمال کے باوجود بھی یہ بچوں کے لئے مضرِ صحت ہے کیونکہ ان میں ایسے مہلک کیمیکلز پائے جاتے ہیں جس کے باعث بچے نزلہ زکام اور سانس کی بیماریوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ ❁❁❁

پکوان

# کچھ گجراتی کھانوں کے بارے میں

آج بہت دنوں بعد ”گجراتی تھال“ کالطف اٹھایا مزہ آ گیا۔ ریسٹورنٹ کے کاؤنٹر پر کیشیر نے گجراتی میں پوچھا ”کیم چھو۔ مزاماچھے“۔ میں نے جواب دیا سارو چھے۔ اور اس سے گجراتی میں گفتگو ہوئی۔ بہت مزا ہے۔ گجراتی کھانا اور گجراتی بولنے والا کھانا لا کر دے تو کھانے کا مزا آجاتا ہے۔ آج میں نے بہت دنوں بعد گجراتی میں کسی سے گفتگو کی۔

عام گجراتی تالی میں روٹلی، دال یا کڑھی، چاول، اور شاک (سبزیوں اور مصالحوں کے متعدد مختلف امتزاج پر مشتمل ڈش ہے، جو مسالیدار یا میٹھی ہوسکتی ہے) پر مشتمل ہے۔ تھالی میں دالوں یا پوری پھلیاں (گجراتی میں کتھور کہاجاتا ہے) جیسے مونگ، کالی آنکھوں کی پھلیاں ، ایک سنیک آئٹم (فرسان) جیسے ڈھکلہ، پاتھرا، سموسہ، ففدہ، اور ایک میٹھی (مشٹان) بھی شامل ہوں گی۔) جیسے مو، ہنتھل، جلیبی، ڈوڈپاک وغیرہ۔ گجراتی کھانوں کا ذائقہ اور گرمی میں بڑے پیمانے پر فرق پڑتا ہے، اس پر انحصار کرتا ہے جو ایک کنبے کے ذوق کے ساتھ ساتھ گجرات کے اس خطے پر ہے جس سے وہ تعلق رکھتے ہیں۔ شمالی گجرات، کاٹھیاواڈ ، کچھ، وسطی گجرات اور جنوبی گجرات کے وہ پانچ بڑے خطے ہیں جو گجراتی کھانوں میں ان کی منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ بہت سے گجراتی پکوان بیک وقت ایک ساتھ مخصوص میٹھا، نمکین اور مسالہ دار ہوتے ہیں۔

تھالی (ایک بڑی پلیٹ) گجراتی طرز کا کھانا ہے، اور کھانے میں سبزیوں کے 10 سے زیادہ برتن، چاول، چپاتی (ہندوستانی روٹی) اور مٹھائیاں شامل ہوسکتی ہیں! گجراتی ناشتے کو پسند کرتے ہیں اور ان میں سے ایک بہت سی قسم کا کھانا پکاتے ہیں۔ یہ اجتماعی طور پر فرسان کے نام سے مشہور ہی گجراتی کھانا ہندوستان کی مغربی ساحلی خطی ریاست گجرات سے نکلا ہے، جسے اکثر ”مغربی ہندوستان کا جیول“ کہاجاتا ہے۔ اگرچہ طویل ساحل سمندر بہت سی سمندری غذا کو یقینی بناتا ہے، لیکن جین ثقافت اور فلسفے کے اثر ورسوخ سے اس خطے کو ایک خاص طور پر سبزی خور بنادیا جاتا ہے جس میں کچھ برادریوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے جو اپنے تھالی میں غیر سبزی خور اشیاء جیسے بکرا، مرغی، انڈے اور سمندری غذا شامل کرتے ہیں۔ گجراتی کھانوں میں نہ صرف متنوع اور ہونٹوں کی سمکنگ ہوتی ہے بلکہ اس میں غذائیت کی قیمت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ہر ایک کی انفرادیت کو نشان زد کرنے والے مختلف پکوان تیار کرنے میں مختلف کھانا پکانے کے انداز اور مصالحے کا مرکب شامل کیا جاتا ہے۔ روایتی طور پر گجراتی تھالی میں روٹلی، کڑھی یا دال، چاول، اور شاک / سبزی شامل ہیں۔ کچھ پکوان ہلچل پر پکوڑے جاتے ہیں، جبکہ دیگر کو ابلا جاتا ہے۔ چاندی کے تالی میں اکثر گجراتی کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ گجراتی اپنا کھانا پکانے کے لئے مختلف مصالحوں اور ذائقوں کا مرکب استعمال کرتے ہیں اور یہی چیز ان کے کھانے کو واقعی غیر ملکی بناتی ہے۔

گجرات میں لوگ تقریباً ہر کھانے میں چاول اور روٹی کے ساتھ ایک یا دوسری طرح کی سالن کھاتے ہیں۔ گجراتی پکوان عام طور پر ایک بہت ہی لطیف ذائقہ رکھتے ہیں جو اسے دوسرے ہندوستانی کھانوں سے واقعتا مختلف بنادیتا ہے۔ زیادہ تر گجراتی پکوان میٹھے ہیں ، جبکہ دوسروں میں نمک اور مصالحے کے مقابلے میں چینی کی مقدار کافی زیادہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات، گڑ چینی کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

گجراتی تھالی نے نہ صرف گجراتی جغرافیائی خطے کے باہر بلکہ قومی حد سے بھی آگے بہت شہرت پائی ہے۔ ایک عام گجراتی تھالی گھروں اور ریستورانوں میں دوپہر کے کھانے یا رات کے کھانے کے طور پر پیش کی جاتی ہے، جس میں تھیلی یا پلیٹ میں ترتیب دیئے جانے والے انتخابی پکوان کی ایک صف پر مشتمل ہوتا ہے۔ تالی عام طور پر روٹلی یا چپٹی پر مشتمل ہوتی ہے جو گھر کی روٹی ہے۔ چاول شاک / سبزی، یہ ایک میٹھی یا مسالہ دار ڈش ہے جو سبزیوں اور مصالحوں کے مختلف مجموعوں سے تیار ہوتی ہے۔ اور یا تو دال یا کڑھی، چنے کے آٹے، دہی اور سبزیوں کے پکوڑے سے بنی ایک موٹی گریوی جسے پکورس کہاجاتا ہے۔ ایک فارسان (نمکین کی شے) جیسے پاتھرا، ڈھکلہ اور سموسہ دوسروں میں۔ پوری پھلیاں یا دالوں سے بنا ایک ڈش۔ میٹھی ڈش یا مشتاان جیسے جلیبی اور مو، ہنتھل بھی تالی میں جگہ پاتے ہیں۔

اگرچہ گجراتیوں کا روزانہ کھانا گھروں میں تیار کیا جاتا ہے جسے وہ اکثر دال بھاٹ{ چاول}-روٹلی{ روٹی} ساک کہتے ہیں، لیکن گجراتی تھالی میں خاص مواقع یا تہوار درجنوں کھانے کو شامل کرتے ہیں، جس میں مختلف قسم کے فرسان اور مٹھاس یا میٹھے پکوان سختی سے کاربند رہتے ہیں۔ پیش کی جانے والی اشیاء کے امتزاج سے متعلق غذائی قواعد پر۔ مثال کے طور پر جب کڑھی پیش کی جاتی ہے تو، دال کی تیاری جیسے مگنی دال یا وال بھی تالی میں پیش کی جاتی ہے۔ اس خاص پلیٹر میں میٹھی ڈش شری کھنڈ یا دودھ پاپ { باسندی} جیسی چیزیں ہوں گی جو دودھ یا دہی پر مبنی ہوتی ہیں، لیکن اگرچہ دہی سے بنی ہوئی ایسی تھالی کی تعریف نہیں کرتی ہے۔ لڈو یا لاپسی جیسی مٹھائیاں جو گندم پر مبنی ہیں دال پر مبنی تہوار کے کھانے میں جگہ پائیں گی۔ گجراتی کھانوں کی تاریخ بہت دلچسپ ہے۔ مین اکثر گھر مین اکثراوندیو سبزی، دھکلہ، فافڑا، کچوری، کڑھی، دال چاول پلیدہ (یہ بوہریوں کی ڈش ہے۔ اسکو ہندو گجراتی نہیں بناتے)۔ ہندوستان میں گجراتی ریسٹورنٹ اچھے خاصے ہیں۔ مگر پاکستان میں گجراتی ریسٹورنٹ نہ ہونے کے برابر ہیں۔۔

❁❁❁

# امراض دل کیلئے محفوظ اور قیمتی دوائیں

ہمارے آقا و مولا آنحضور ﷺ نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ: "انسانی جسم کے اندر گوشت کا ایسا لوتھڑا ہے کہ اگر وہ صحیح ہو تو پورا جسم صحیح رہتا ہے، اور اگر اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ جسم کا یہ حصہ دل ہے۔" (بخاری و مسلم)

قبل اسکے کہ ان قیمتی دواؤں کے بارے عرض کروں، دل کے مسئلے پر مختصر اور آسان روشنی ڈالنا چاہوں گا۔ اور میں یہ بات کھل کر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میرا یہ مضمون اگرچہ مفید ثابت ہو گا مگر دل کے مریض اپنے دل کے معاملے میں کسی قسم کا رِسک نہ لیں اور ماہر طبیب کی نگرانی علاج کروائیں۔

**1۔ انجائنا یا سینے میں درد:**

یہ ایک تکلیف ہے جو اس وقت ہوتی ہے جب آپ کے دل کے پٹھوں کے کسی علاقے کو آکسیجن سے بھرپور خون نہیں ملتا۔ انجائنا آپ کے سینے میں دباؤ یا نچوڑنے کی طرح محسوس کر سکتے ہیں۔ آپ اسے اپنے کندھوں، بازوؤں، گردن، جبڑے یا پیٹھ میں بھی محسوس کر سکتے ہیں۔

**2۔ سانس کی تکلیف:**

یہ علامت اس وقت ہوتی ہے جب CHD دل کی ناکامی کا سبب بنتا ہے۔

سی ایچ ڈی کا مطلب ہے

Coronary heart disease is a narrowing of the small blood vessels that supply blood and oxygen to the heart۔ Coronary heart disease (CHD) is also called coronary artery disease۔

جب آپ کو دل کی ناکامی ہے، دل آپ کے جسم کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی خون پمپ نہیں کر سکتا۔ آپ کے پھیپھڑوں میں سیال پیدا ہوتا ہے، جس سے سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔

**3۔ دل کی ناکامی**

دل کی ناکامی ایک ایسی حالت ہے جس میں آپ کا دل آپ کے جسم کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی خون پمپ نہیں کر سکتا ہے۔ دل کی ناکامی کی سب سے زیادہ عام علامات اور علامات سانس لینے یا سانس لینے میں دشواری کا شکار ہیں؛ تھکاوٹ اور ٹخنوں، پیروں، ٹانگوں، پیٹ اور گردن میں رگوں میں سوجن ہے۔

دل کی ناکامی کو بنیادی طور پر بائیں وینٹیکولر، دائیں وینٹیکولر یا خسارے کے مقام پر مبنی بائیونٹریکولر کے طور پر درجہ بندی کیا جا سکتا ہے۔

**4۔ دل کی دھڑکن: arrhythmia**

یہ دل کی دھڑکن کی شرح یا تال میں ایک مسئلہ ہے۔ جب آپ کو arrhythmia ہو تو، آپ یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ آپ کا دل بے ترتیبی سے دھڑکتا ہے یا بہت تیزی سے دھڑک رہا ہے۔

**ان سب مسائل کیلئے ایک محفوظ اور قدرتی دوا جس کے اجزاء کئی صدیوں سے استعمال ہو رہے ہیں۔**

**ادرک:**

ادرک خون کو پتلا کرتا ہے، یہ درد کو قدرتی طریقے سے 90 فیصد تک کم کرتا ہے۔

**لہسن:**

اس میں موجود ایلیسین عنصر کولیسٹرول اور بلڈ پریشر کو کم کرتا ہے اور دل کے بند والوں کو کھولتا ہے۔

**لیموں:**

اس میں موجود اینٹی آکسیڈنٹس، وٹامن سی اور پوٹاشیم خون کو صاف کرتے ہیں اور بیماری کے خلاف مزاحمت بڑھاتے ہیں۔

**سیب کا سرکہ:**

اس میں 90 قسم کے عناصر ہیں جو جسم کے سارے اعصاب کو کھولتے ہیں، پیٹ صاف کرتے ہیں اور تھکاوٹ کو مٹاتے ہیں۔

**اب آتے ہیں ان اجزاء کے ساتھ نسخہ بنانے کی طرف**

دل کی نالیاں صاف رکھنے، کولیسٹرول کو کنٹرول کرنے نیز معدہ و جگر اور گردوں کی

حفاظت کیلئے نہایت کار آمد اور مزیدار

## شفائے قلب سیرپ

تیاری اجزاء اور بنانے کا طریقہ:

آدھ کلو دیسی لہسن، آدھ کلو ادرک، آدھا لیٹر سرکہ سیب اصلی، ایک کلو دیسی لیموں، ایک کلو شہد خالص۔

تمام چیزیں نہایت اعلٰی اور صاف ستھری لے کر صاف ستھرے برتنوں میں نسخہ تیار کریں۔

بہتر ہے کہ لیموں اور ادرک کو باہر سے جھاگ دار صابن سے دھو کر پانی سے اچھی طرح صفائی کریں۔

لہسن اور لیموں دیسی ہی لینے ہیں جو کوشش کر کے مل جائیں گے۔

سب سے پہلے ایک کلو دیسی لیموں کا جوس نکال کر سائیڈ پر رکھیں، پھر ادرک چھیل کر چھری سے نہایت باریک چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اور لہسن چھیل کر دھو کر دونوں کو بلینڈر جگ میں ڈال دیں، ساتھ ہی لیمن جوس اور آدھا لیٹر سرکہ سیب اسی جگ میں ڈال کر شیک بنائیں۔

ایک دُھلا ہوا صاف موٹا کپڑا کسی جگ پر رکھ کر احتیاط سے ادرک، لہسن، لیمن جوس اور سرکہ سیب والا آمیزہ کپڑے میں ڈال کر اچھی طرح چُن لیں۔ چُنتے وقت ٹیبل سپون سے کپڑے پر آمیزے کو ہلاتے رہیں تاکہ لیکوڈ آسانی سے دوسرے جگ میں چلا جائے۔ پھر بعد میں اس کپڑے کو نہایت زور سے نچوڑیں تاکہ سارا لیکوڈ نُچڑ جائے۔

بعد ازاں اس لیکوڈ میں ایک کلو شہد خالص مکس کر کے صاف اور خشک کی ہوئی بوتلیں بھر کر فریج میں رکھ لیں۔

کئی لوگ اس سیرپ کو آگ پر پکاتے ہیں لیکن آگ پر ہر بندہ نہیں پکا سکتا اور سیرپ بدبودار ہو جاتا ہے، اسلئے بہتر ہے کہ اسی طریق پر بنایا جائے اور فریج میں رکھ دیا جائے، فریج کے بغیر نہ رکھا جائے۔

اگر سیرپ کی ایک سے زیادہ بوتلیں بنیں تو ایک بوتل فریج میں رکھیں اور باقی فریزر میں۔

میرے تجربے کے مطابق اس طریق سے بنا ہوا سیرپ فریج میں دو تین ماہ نکال جائے گا۔

فریج والی بوتل سے روزانہ تین ٹیبل سپون سیرپ ایک گلاس تازہ یا نیم گرم پانی میں مکس کر کے ناشتے سے آدھ گھنٹہ پہلے اور اتنا ہی سیرپ بوقتِ عصر اللہ شافی پڑھ کر پی لیں۔

جب یہ بوتل ختم ہو تو فریزر سے دوسری بوتل نکال کر باہر رکھیں، چند گھنٹوں میں پگھل جانے پر فریج میں رکھ کر پہلے کیطرح استعمال کریں۔ یہ سیرپ کم از کم چالیس دن سے لیکر دو تین ماہ تک استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسے سال میں ایک بار ہر بندہ استعمال کرے تو بہت سی بیماریوں سے شفاء پا جائے گا۔

### دوسری اہم دوا جو نہایت ضروری اور محفوظ ہے وہ ہے
### کریٹیگس آکسی Q مدر ٹنکچر

یہ ہومیو پیتھی کی ایک طاقتور دوا ہے جو بلڈ پریشر، دائمی دل کی بیماری، سر اور گردن کے پچھلے حصے میں درد سے پریشانی کا علاج کرنے میں معاون ہے۔ یہ ٹائیفائیڈ کے خاتمے اور آنتوں سے بہنے میں بھی مددگار ہے۔ یہ دوا دل، سر، پیشاب کی نالی، جلد اور نیند سے متعلق حالات کی مختلف علامات کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ کریٹیگس مدر ٹنکچر خون کی نالیوں سے چربیلی کثافتوں اور بلاکیج کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

عام طور پر تو کریٹیگس کو صرف امراضِ دل کیلئے استعمال کیا جاتا ہے مگر ریسرچ اور تجربہ بتاتا ہے کہ اس دوا کی جسم کے ہر عُضو کو ضرورت ہے۔ میرے تجربے کے مطابق اس دوا کا سب سے زیادہ مفید اثر دل، دماغ، معدہ، جگر، گردوں اور پھیپھڑوں پر ہوتا ہے۔

کریٹیگس بلڈ پریشر کو منظم کرتی ہے، سر میں درد کم کرنے میں مدد کرتی ہے، جوڑوں کے درد کو دور کرتی ہے، سینے کے درد میں موثر ریلیف فراہم کرتی ہے، آنتوں سے ہونے والا خون ختم ہوتا ہے، آرٹیروسکلروسیس کا علاج کرتی ہے، ٹائیفائیڈ کے علاج میں مدد کرتی ہے، بچوں میں پیشاب میں شوگر کی موجودگی، شہ رگ کے مریضوں میں نیند کے علاج میں مددگار، ذہنی عدم استحکام، اور ڈپریشن میں مفید ہے۔

میرے ایک استاد ہیں جو ایک ماہر طبیب بھی ہیں ان سے میں نے پوچھا کہ دل کی ایمرجنسی کیلئے کونسی دوا ہے؟

استاد کا جواب تھا کہ: کریٹیگس سے بڑی ایمرجنسی کیا ہو سکتی ہے؟

استادِ محترم کے پاس زیادہ ٹائم نہ تھا کہ وہ اس دوائی کی مزید وضاحت کر سکیں مگر میں نے استاد کی یہی بات دماغ میں محفوظ کر لی کہ: کریٹیگس دل کی سب سے بڑی ایمرجنسی دوا ہے۔ چنانچہ لفظ ایمرجنسی اور کریٹیگس پر میں نے تحقیق شروع کر دی اور تجربات کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ کریٹیگس مدر ٹنکچر ایک ایسی محفوظ دوا ہے جو ایمرجنسی کی صورت میں ہر 15 منٹ بعد دس دس قطرے تھوڑے سے پانی میں مکس کر کے آرام آنے تک دی جا سکتی ہے۔ علاج کے طور پر 10-10 قطرے تین ٹائم لیئے جا سکتے ہیں۔

### تیسری سب سے اہم ہومیو مرکب دوا ڈایا کارڈ گولڈ ڈراپس میڈس فارمیسی جرمنی کی ہے

**DIACARD Gold Drops Maduas ( Heart Tonic )**

یہ دل کے ہر معاملے کیلئے نہایت اہم، مُستند اور مُفید دوا ہے۔

جن دواؤں اور اجزاء کا ذکر میں نے اپنے اس مضمون میں کیا ہے یہ تمام دوائیں اللہ کے فضل سے دل کی بلاکیج کھولنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور انسان کو بائی پاس آپریشن سے بچا سکتی ہیں۔ کیونکہ میں نے خود ان دواؤں اور اجزاء سے کام لیا ہے۔

آخر میں پھر یہ واضح کر دینا چاہوں گا کہ یہ ایک مفید اور معلوماتی مضمون ہے۔

سیلف میڈیکیشن صحت کے لیئے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ بغیر مشورہ طبیب کسی قسم کی دوا کا استعمال درست نہیں۔ اگر آپ خدانخواستہ کسی مرض میں مبتلا ہیں تو براہ کرم اپنے معالج یا قریبی طبیب و ڈاکٹر سے رجوع کریں۔ (منقول)

❁❁❁

# شعروشاعری

## دوستی کا سفر

### سیما آفتاب

بڑا ہی سہانا سفردوستی کا
رہے ساتھ یہ عمر بھر دوستی کا
جسے مل گیا ہے وہ خوش بخت ٹھہرا
ہے قسمت سے ملتا گہر دوستی کا
ہے یاروں کے دم سے یہ دنیا کی رونق
بَسے ان کے دم سے، نگر دوستی کا
جہاں میں سبھی دوست ہوتے نہیں ہیں
نہیں سب میں ہوتا، ہنر دوستی کا
محبت، بھروسے اور اخلاص سے ہی
بنے یہ تناور شجر دوستی کا
کبھی دوست کو اپنے کھونے نہ دینا
ہے رشتہ بڑا معتبر دوستی کا
یہی اب تو ہر دم خدا سے دعا ہے
دمکتا رہے یہ قمر دوستی کا

❁❁❁

## غزل

### آصفہ بلال

یوں نظر سے سوال کرنے میں
خوب ہو تم کمال کرنے میں
ایک جگنو ہی بہت ہے لوگو
روشنی کو بحال کرنے میں
اس کو اک روز تو بچھڑنا تھا
کیا ہے رکھا ملال کرنے میں
کیا ضروری ہے طور پر جائیں
بندگی کو مثال کرنے میں
تیری یادیں ہی بہت ہیں اب تو
زندگی کو محال کرنے میں
ہم نے اک عمر کاٹ دی تنہا
ہجر کو پھر وصال کرنے میں

❁❁❁

## غزل

### حمیرا ناصر

عشق میں ہم کو پڑا یہ بھی نظارہ دیکھنا
دردو غم اپنے لئے اور سکھ تمہارا دیکھنا
کر دیا خود کو حوالے ہم نے جب طوفان کے
کیا پکاریں ناخدا کو,کیا کنارہ دیکھنا
اب نہیں کرتا گریباں چاک دیوانہ کوئی
اب نیاوحشت کا کوئی استعارہ دیکھنا
سہل تجھ پر بھی نہیں تھی یہ جدائی کہہ گیا
تیرا رک کر مڑ کے وہ مجھ کو دوبارہ دیکھنا
جارہے ہو؟ جاؤ لیکن یاد رکھنا یہ ضرور
جان لے لے گا مری جانا تمہارا دیکھنا
آس ٹوٹی ساتھ چھوٹا,پاؤں میں جنبش نہیں
ڈھونڈنا کیا نقش پا پھر,کیا ستارہ دیکھنا
ظلم کی آواز پر گر اوڑھ لو گے چپ یونہی
جہل کا نسلوں پہ ہو گا پھر اجارہ دیکھنا

❁❁❁

## نظم
### کنیز بتول نجمہ

کیا مجھ سے میرے مسیح کی عظمت بیان ہو
مہدی لقب ہے اور شاہِ دین کا غلام ہے
رتبے کو چار چاند ہیں اس وقت لگ گئے
جب مصطفےٰ نے خود انہیں بھیجا سلام ہے
پیشانی انکی سورۂ یٰسین جیسی ہے
اور ان کے نین نقش ہیں اذان کی طرح
ہونٹوں پہ جانثار ہیں کوثر کی آیتیں
لہجہ تو ہو بہو لگے قرآنِ کی طرح
چشمۂ سلسبیل ہیں خطبے حضور کے
ہر بات گویا جام شرابِ طہور ہے
نجمہ تو ان کو دیکھ کے بس اتنا کہہ سکی
پیشانی میں جو دِکھتا ہے خالق کا نور ہے

❁❁❁

## التجاء بدرگاہِ ربّ کریم
### طاہرہ زرتشت نازؔ

میرے آقا جو دن رات مصروف ہیں
دیں کی خدمت پہ ہر وقت معمور ہیں
فکر جن کو محمد کے پیغام کا
وقت جن کو نہیں کچھ بھی آرام کا
وقف تیرے لئے جن کے شام و سحر
لطف کی ہو سدا ان پہ تیری نظر
قوم و ملت کے غم سے ستائے ہوئے
بوجھ کاندھوں پہ سب کا اٹھائے ہوئے
منزلوں کی طرف ہیں رواں دیر سے
درد سینے میں سب کا چھپائے ہوئے
تیری الفت میں ہر دم وہ سر شار ہیں
تیرے دیں کے جفا کش وہ سالار ہیں
تُو تو شافی ہے قادر ہے مختار ہے
ہم تو کمزور ہیں سخت لاچار ہیں
ہم سے تسکین و راحت عطا ہو انہیں
تیری تائید و نصرت عطا ہو انہیں
منزلوں کی طرف آگے بڑھتے رہیں
دشمنِ دین جلتے ہیں جلتے رہیں
آنکھ پُرنم ہے دل ہے حزیں آج کل
تیرے در پر جھکی ہے جبیں آج کل
نازؔ کے ہاتھ اٹھے ہیں دعا کے لئے
لب پہ بھی التجاء ہے انہیں کے لئے
عمر و صحت کی دولت عطا کر انہیں
اپنی ہر ایک نعمت عطا کر انہیں

❁❁❁

## غزل
### میمونہ اقبال مجوکہ جوہر آباد پاکستان

زمانے بھر کی مسافتوں پر نہ تھکا کریں گے یہ طے ہوا تھا
خزاں کی رُت میں نہ برگ پا کر اداس ہوں گے یہ طے ہوا تھا
بچھڑنے پر اب ملال کیسا، دلِ ناتواں پر غبار کیسا
جدائی کی اس کٹھن گھڑی میں نہ حزن ہو گا یہ طے ہوا تھا
لگی جو ساون کی جھڑی ہے تو آنکھ تیری میں کیوں نمی ہے
ضبط رکھیں گے موسموں پر نہ صبر ٹوٹے گا طے ہوا تھا
زباں پہ کیسی لگی یہ چپ ہے لبوں پہ کیسی یہ تشنگی ہے
حالات جیسے بھی ہوں مگر مسکرا کر ملیں گے یہ طے ہوا تھا
جہاں ملائے گا وقت ہم کو وہیں پہ لمحے کو روک لیں گے
آنکھوں سے درد بیاں کریں گے ہ لب ہلیں گے یہ طے ہوا تھا

❁❁❁

## اک مرگ ناگہاں ہے کہ آہٹ تمام شد
### ناصرہ افتخار

چاہا تمہیں تو تم پہ تھی چاہت تمام شد
تم ہمسفر ہوئے تو مسافت تمام شد
کرنا تھا حسن یار کو لفظوں میں ہی بیاں
وہ حسن لازوال تھا مدحت تمام شد
اپنوں میں غیر جان کے پوچھا تھا اس نے حال
حیرت کدہ عشق سے حیرت تمام شد
تہمت پہ جب عدو کے ہوا زخم زخم دل
رب ہوگیا وکیل وکالت تمام شد
شرمندگی تھی ہر گھڑی اعمال پر مجھے
نظر کرم کی اس نے تو خفت تمام شد

❁❁❁

# آئیں اردو سیکھیں

مدثرہ عباسی اردو/انگریزی ٹیچر فارن اینڈ کامن ویلتھ آفس UK

**Time Adverbs:**

**In, on, at, no preposition**

In the morning/ June / The summer/1998 / the 20th century.

صبح میں۔ جون میں۔ گرمیوں میں۔ ۱۹۹۸ میں۔ بیسویں صدی میں۔

On Friday/ Friday morning/ the 2nd of April

جمعہ کو۔ جمعہ کی صبح کو۔ ۲ اپریل کو۔ کل شام کو

At three fifteen/ the weekend/ at the end of the week/ at Easter/ at Christmas/ at Eid /at lunch/ at dinner

تین بجکر ۱۵ منٹ پر۔ ویک اینڈ پر۔ ہفتے کے آخر پر۔ ایسٹر پر۔ کرسمس پر۔ عید پر۔ دوپہر کے کھانے پر۔ رات کے کھانے پر۔

At quarter past, at half past, at 3 O'clock.

سوا تین بجے۔ ساڑھے تین بجے۔ تین بجے

**No preposition:**

**This morning/ yesterday afternoon/ last night/ the day before yesterday/ a few days ago/ last week/ tomorrow morning/ the day after tomorrow/next week.**

آج صبح۔ کل شام۔ کل رات۔ پرسوں۔ چند دن پہلے۔ پچھلے ہفتے۔ کل صبح۔ پرسوں۔ اگلے ہفتے۔

**The word night has some special forms:**

I woke up three times in the night. {during the night}

میں رات میں تین دفعہ جاگی۔

It happened on Friday night. {one particular night}

یہ جمعہ کی رات کو ہوا۔

There was noise in the hotel last night.

کل رات ہوٹل میں شور تھا۔

**We can use 'in' to talk about 'time for now'.**

The new offices will be ready in two months.

نئے دفاتر دو ہفتوں میں تیار ہوں گے۔

**B- On time or in time?**

On time means at the right time. In time means with enough time.

The plane took off exactly on time.

جہاز بالکل وقت پر روانہ ہوا۔

**Please make your own sentences using time adverbs.**

❁❁❁

ZINGMAAR
EASY TO FOLLOW UNIQUE RECIPES FROM AROUND THE WORLD
FOLLOW @ZINGMAAR

ISSUE
AUGUST 2021
Vol-2 | Issue-12
ZIL HAJJAH
MUHARRAM

# AABGEENEI

## MONTHLY KHAWATEEN DIGEST

An Educational and Literary Magazine For Social and Religious affairs

Under the supervision of
ABBASI ACADEMY

Editor
**Mudessera Abbasi**

| Incharge of Gosha Adab **Humaira Nighat** | Incharge of Bacchon Ka Gulistan / Pakwan Eeshatur-Razia Abbasi | **Chief executive Mohiuddin Abbasi** |
|---|---|---|

www.aabgeenei.com

Printed from London